معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف

کراچی ۱۴ پاکستان

فہرست مضامین "معارف القرآن" جلد اوّل

مضامین	صفحہ
تمہید	۵۹
دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرآن ہے	″
مختصر سرگذشت مصنف ابتدائے عمر سے ہجرتِ پاکستان اور پھر تفسیر معارف القرآن کی تصنیف تک	۶۰
معارف کی تصنیف کے قدرتی اسباب	۶۳
معارف القرآن کی خصوصیات والتزامات	۶۸
سورۂ فاتحہ	۷۲
سورۂ فاتحہ کے فضائل وخصوصیات	″
بسم اللہ کا آیت قرآن ہونا اور اس کو ہر کام کے شروع میں پڑھنا	۷۳
ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی حکمت	۷۴
مسئلہ	۷۵
بسم اللہ الخ کی تفسیر	″
مسئلہ	۷۶
حکمت	″
اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعض احکام ومسائل	۷۷
سورۂ فاتحہ کے مضامین	۷۹
ربّ العالمین کی تفسیر	۸۰
روزِ جزاء کی حقیقت اور عقلاً اس کی ضرورت	۸۳
مالک کون ہے ؟	۸۴
تکمیل الدرایہ فی تفصیل درجات الہدایہ	۸۷
صراطِ مستقیم کونسا راستہ ہے ؟	۹۱
صراطِ مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعہ سے ملتا ہے۔	۹۲
فرقہ وارانہ اختلافات کا بڑا سبب	۹۴
سورۂ فاتحہ کے متعلق احکام ومسائل	″

مضامین	صفحہ
دُعاء کرنے کا طریقہ	۹۴
اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء انسان کا فطری فرض ہے	″
خود اپنی مدح وثناء کسی انسان کیلئے جائز نہیں	۹۷
لفظ ربّ اللہ تعالیٰ کا خاص نام ہے، غیر اللہ کو ربّ کہنا جائز نہیں۔	″
استعانت کے معنی کی تشریح اور مسئلہ توسل کی تحقیق۔	″
اللہ کے سوا کسی کی عبادت روا نہیں، شرک ناقابلِ معافی جرم ہے	۹۸
مسئلہ استعانت وتوسل کی تحقیق اور احکام کی تفصیل	۹۹
صراطِ مستقیم کی ہدایت دنیا ودین میں کلیدِ کامیابی ہے۔	۱۰۲
سورۂ بقرہ	۱۰۳
زمانۂ نزول، نام اور تعداد آیات	″
سورۂ بقرہ کے فضائل	″
سورۂ بقرہ کے احکام ومسائل	۱۰۴
حلِ لغات اور تشریح	۱۰۶
معارف ومسائل	″
حروف مقطعہ کی تحقیق	
متقین کی خاص صفات	۱۰۸
پہلا مسئلہ : ایمان اور اس کی تعریف	۱۰۹

مضامین	صفحہ
دوسرا مسئلہ ! اقامۃ صلوٰۃ	۱۱۰
تیسرا مسئلہ ! اللہ کی راہ میں خرچ کرنا	″
ایمان اور اسلام میں فرق	۱۱۱
مسئلہ ختمِ نبوت کی ایک واضح دلیل	۱۱۳
متقین کی تفسیر میں صفت ایمان بالآخرۃ	۱۱۴
آخرت پر ایمان ایک انقلابی عقیدہ ہے	″
آیات ۶ و ۷، مع خلاصۂ تفسیر	۱۱۵
معارف ومسائل	۱۱۶
کفر کی تعریف	۱۱۷
انذار کے معنی	″
گناہوں کی دنیوی سزا سلبِ توفیق	۱۱۸
نصیحت ناصح کیلئے ہر حال میں مفید ہے، مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔	۱۱۹
آیات ۸ تا ۲۰ مع خلاصۂ تفسیر	۱۱۹
معارف ومسائل	۱۲۳
ربطِ آیات	″
ایک شبہ کا جواب	″
کیا کفر ونفاق عہدِ نبوی کے ساتھ مخصوص تھا	۱۲۶
ایمان وکفر کی حقیقت	۱۲۷
کفر وایمان کا ضابطہ	″
ایک شبہ کا ازالہ	۱۲۸
جھوٹ ایک گھناؤنی چیز ہے	″
انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے ساتھ بُرا سلوک کرنا اللہ کے ساتھ بُرائی کرنا ہے۔	″
جھوٹ بولنے کا وبال	۱۲۹
مصلح ومفسد کی پہچان	″
یا ایہا الناس اعبدوا تا تعلمون، مع خلاصۂ تفسیر	۱۳۱

مضامین	صفحہ
معارف ومسائل	۱۳۲
کائناتِ زمین وآسمان میں قدرتِ حق کے مظاہر	۱۳۴
کسی کا عمل اس کی نجات کا یقینی سبب نہیں	۱۳۸
عقیدۂ توحید ہی دنیا میں امن وامان کا ضامن ہے	۱۳۹
آیات وان کنتم فی ریب آیت ۲۳ و ۲۴ مع خلاصۂ تفسیر	۱۴۰
معارف ومسائل	″
قرآن قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے	۱۴۳
اعجازِ قرآنی کی تشریح	۱۴۴
اعجازِ قرآنی کے دس وجوہ	″
چند شبہات اور جوابات	۱۶۰
آیت ۲۵ وبشر الذین اٰمنوا مع خلاصۂ تفسیر	۱۶۴
معارف ومسائل	۱۶۵
آیت ۲۶ ان اللہ لا یستحیی وآیت ۲۷ مع خلاصۂ تفسیر	۱۶۶
معارف ومسائل	۱۶۷
مثال میں کسی ذلیل چیز کا ذکر عیب نہیں	۱۶۹
تعلقات کے حقوقِ شرعیہ ادا کرنا واجب ہے،	۱۷۰
آیات ۲۸ کیف تکفرون باللہ وآیت ۲۹ مع خلاصۂ تفسیر	″
معارف ومسائل	۱۷۱
حیاتِ برزخی	۱۷۳
دنیا کی کوئی چیز بیکار نہیں	″
اشیائے عالم میں اصل اباحت ہے یا حرمت	۱۷۴
آیات واذ قال ربک للملٰئکۃ ۳۰ تا ۳۳ مع خلاصۂ تفسیر	۱۷۵
معارف ومسائل	۱۷۷
تخلیقِ آدمؑ کی گفتگو فرشتوں سے کس مصلحت پر مبنی تھی۔	۱۷۸

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
واضع لغت خود حق تعالیٰ ہیں	۱۸۲	آیات یٰبنی اسرائیل اذکروا ۴۰ تا ۴۲	۲۰۳
آدمؑ کا تفوّق فرشتوں پر	״	مع خلاصۂ تفسیر	
خلافتِ ارض کا مسئلہ	״	معارف و مسائل	۲۰۴
آنحضرتؐ اللہ کے آخری خلیفہ کی حیثیت سے	۱۸۳	اُمّتِ محمدیہ کی ایک خاص فضیلت	۲۰۶
آنحضرتؐ کے بعد نظامِ خلافت	۱۸۵	ایفائے عہد واجب اور عہد شکنی حرام ہے۔	״
خلافتِ راشدہ کے بعد	۱۸۶	جو شخص کسی گناہ یا ثواب کا سبب بنتا ہے	
مغربی جمہوریت اور اسلامی شورائیت میں فرق	״	اس پر بھی کرنیوالوں کا گناہ یا ثواب لکھا جاتا ہے	۲۰۷
آیت مذکورہ سے دستورِ مملکت کی چند اہم دفعات کا ثبوت	״	تعلیم قرآن پر اجرت کا جواز	״
آیت ۳۴ واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا	״		
خلاصۂ تفسیر	۱۸۷	ایصالِ ثواب کے لئے ختمِ قرآن پر اجرت	۲۰۸
معارف و مسائل	״	لینا باتفاق جائز نہیں۔	
کیا سجدہ کا حکم جنات کو بھی ہوا تھا۔	۱۸۸	حق بات کا چھپانا یا اس میں خلط ملط کرنا	״
سجدۂ تعظیمی پہلے جائز تھا پھر ممنوع ہوگیا	״	حرام ہے۔	
ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں	۱۹۰	واقعہ عجیبہ، حضرت ابوحازم تابعیؒ، سلیمان	״
ابلیس کو طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا۔	״	ابن عبدالملکؒ کے دربار میں	
آیات وقلنا یا آدم اسکن ۳۵، ۳۶ مع	״	واقیموا الصلوٰۃ ۴۳ تا ۴۶، مع خلاصۂ تفسیر	۲۱۱
خلاصۂ تفسیر و معارف و مسائل	۱۹۱	معارف و مسائل	۲۱۲
آیاتِ مذکورہ کے متعلق چند مسائل	۱۹۴	باجماعت نماز کے احکام	۲۱۶
غذا، وخوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں۔	״	مسجد کے سوا کسی جگہ جماعت	״
ہر جگہ چلنے پھرنے کی آزادی انسان کا فطری حق ہے	״	نماز میں رکوع کی فرضیت	״
سدِّ ذرائع کا مسئلہ	۱۹۵	بے عمل واعظ کی مذمت	۲۱۸
عصمتِ انبیاءؑ کا مسئلہ	״		
فتلقّٰی آدم من ربہ، ۳۷ تا ۳۹	۱۹۷	کیا فاسق وعظ و نصیحت نہیں کرسکتا؟	״
خلاصۂ تفسیر	۱۹۸	دو نفسیاتی بیماریاں اور ان کا علاج	۲۱۹
معارف و مسائل	״	خشوع کی حقیقت	۲۲۰
توّاب اور تائب میں فرق	۲۰۱	نماز میں خشوع کی فقہی حیثیت	۲۲۱
قبولِ توبہ کا اختیار خدا کے سوا کسی کو نہیں	״	نماز خشوع کے بغیر بھی بالکل بے فائدہ نہیں	۲۲۲
آدمؑ کا زمین پر اُترنا سزا کے طور پر نہیں بلکہ	״	آیات یٰبنی اسرائیل اذکروا ۴۷ و ۴۸،	״
ایک مقصد کی تکمیل کے لئے تھا۔		مع خلاصۂ تفسیر	۲۲۳
رنج و غم سے نجات صرف اطاعتِ حق میں منحصر ہے	۲۰۲		

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
آیت واذ نجینکم من اٰل فرعون، ۴۹	۲۲۳	مع خلاصۂ تفسیر	۲۳۹
مع خلاصۂ تفسیر		اس آیت کے متعلق فائدہ	״
آیات واذ فرقنا بکم البحر ۵۰ و ۵۱	۲۲۴	آیت واذ اخذنا میثاقکم ۶۳ مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۰
مع خلاصۂ تفسیر	״	اس آیت کے متعلق فائدہ	״
اس آیت کے متعلقہ فوائد	۲۲۵	آیت ثم تولیتم من بعد ۶۴ مع خلاصۂ تفسیر	״
		ایک شبہ کا ازالہ	״
آیت ثم عفونا ۵۲ مع خلاصۂ تفسیر	״	آیات ولقد علمتم ۶۵، ۶۶ مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۱
آیت واذ اٰتینا موسیٰ الکتٰب ۵۳	۲۲۶	معارف و مسائل	۲۴۲
مع خلاصۂ تفسیر	״	دینی معاملات میں کوئی ایسا حیلہ جس سے اصل	״
آیت واذ قال موسیٰ لقومہٖ ۵۴ مع خلاصۂ تفسیر	״	حکم شرعی باطل ہوجائے حرام ہے	
اس آیت کے متعلق فائدہ	۲۲۷	واقعہ مسخ صورتِ یہود	۲۴۳
آیت واذ قلتم یٰموسیٰ ۵۵ مع خلاصۂ تفسیر	״	ممسوخ قوموں کی نسل نہیں چلتی	״
آیت ثم بعثنٰکم ۵۶ مع خلاصۂ تفسیر	״	آیت واذ قال موسیٰ لقومہٖ ۶۷ مع خلاصۂ تفسیر	״
اس آیت کے متعلق فائدہ	۲۲۸	آیات قالوا ادع لنا ۶۸ تا ۷۱، مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۴
آیت وظلّلنا علیکم الغمام، ۵۷ مع خلاصۂ تفسیر	״	آیات واذ قتلتم نفسًا ۷۲، ۷۳ مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۵
آیت واذ قلنا ادخلوا ۵۸ مع خلاصۂ تفسیر	۲۲۹	آیت ثم قست قلوبکم ۷۴، مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۶
آیت فبدّل الذین ظلموا ۵۹ مع خلاصۂ تفسیر	۲۳۰	فائدہ	۲۴۷
معارف و مسائل	۲۳۱	آیت افتطمعون ۷۵ مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۸
کلام میں لفظی تغیر و تبدّل کا حکمِ شرعی	۲۳۱	آیت واذا لقوا ۷۶، مع خلاصۂ تفسیر	۲۴۹
آیت واذ استسقٰی موسیٰ ۶۰ مع خلاصۂ تفسیر	۲۳۲	آیات اولا یعلمون ۷۷ تا ۷۹، مع خلاصۂ تفسیر	۲۵۰
معارف و مسائل	۲۳۴	آیت وقالوا لن تمسنا النار ۸۰ مع خلاصۂ تفسیر	۲۵۱
آیت واذ قلتم یٰموسیٰ لن نصبر ۶۱	۲۳۵	آیت بلٰی من کسب سیئۃً ۸۱ و ۸۲	۲۵۲
مع خلاصۂ تفسیر	۲۳۶	مع خلاصۂ تفسیر	
معارف و مسائل	۲۳۷	آیت واذ اخذنا میثاق ۸۳ مع خلاصۂ تفسیر	۲۵۳
یہودیوں پر ابدی ذلّت کا مطلب اور اسرائیل	״	مسئلہ	״
کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب		تعلیم و تبلیغ میں سخت کلامی کافر سے بھی درست نہیں	۲۵۴
		آیت واذ اخذنا میثاقکم ۸۴	
آیت انّ الذین اٰمنوا والذین ھادوا ۶۲	۲۳۸	مع خلاصۂ تفسیر	״

مضامین	صفحہ
آیت ثم انتم ہٰؤلاء تقتلون ۸۵ مع خلاصۂ تفسیر	۲۵۵
معارف ومسائل	۲۵۶
اس آیت کے متعلق فوائد	"
آیت اولٰئک الذین اشتروا ۸۶ مع خلاصۂ تفسیر	۲۵۷
ولقد اٰتینا موسٰی ۸۷ مع خلاصۂ تفسیر	"
آیت وقالوا قلوبنا غلف مع خلاصۂ تفسیر	۲۵۹
آیت ولما جاءہم کتٰب من عند اللہ مع خلاصۂ تفسیر	"
ایک شبہ اور اس کا جواب	"
آیت بئسما اشتروا بہ انفسہم مع خلاصۂ تفسیر	۲۶۰
آیت واذا قیل لہم اٰمنوا بما انزل اللہ	۲۶۱
مع خلاصۂ تفسیر	
اس آیت کے متعلق فائدہ	"
آیت ولقد جاءکم موسٰی بالبینٰت	۲۶۲
مع خلاصۂ تفسیر	
اس آیت کے متعلق فائدہ	"
آیت واذ اخذنا میثاقکم ۹۳	۲۶۳
مع خلاصۂ تفسیر	
اس آیت کے متعلق فائدہ	"
آیت قل ان کانت لکم الدار الاٰخرۃ	۲۶۴
مع خلاصۂ تفسیر	
اس آیت کے متعلق فائدہ	"
آیت ولتجدنہم احرص الناس علٰی حیٰوۃ	۲۶۶
مع خلاصۂ تفسیر	
قل من کان عدوًا لجبریل مع خلاصۂ تفسیر	"
آیت ولقد انزلنا الیک اٰیٰت بینٰت	۲۶۷
مع خلاصۂ تفسیر	۲۶۸
آیت اوکلما عٰہدوا مع خلاصۂ تفسیر	"

مضامین	صفحہ
آیت ولما جاءہم رسول من عند اللہ	۲۶۸
مع خلاصۂ تفسیر	۲۶۹
آیات واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین ۱۰۲، ۱۰۳	"
مع خلاصۂ تفسیر	۲۷۰
معارف ومسائل	۲۷۱
السحر حقیقتہ واحکامہ	۲۷۴
جادو کی حقیقت	"
سحر کے اقسام	۲۷۵
سحر اور معجزہ میں فرق	۲۷۷
کیا انبیاءؑ پر بھی جادو کا اثر ہو سکتا ہے ؟	۲۷۸
سحر کے احکام شرعیہ	"
آیت لا تقولوا راعنا ۱۰۴ مع خلاصۂ تفسیر	۲۸۰
آیت ما یود الذین کفروا ۱۰۵ مع خلاصۂ تفسیر	۲۸۱
آیات ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا ۱۰۶ و ۱۰۷	۲۸۲
مع خلاصۂ تفسیر	
معارف ومسائل	۲۸۳
احکام الٰہیہ میں نسخ کی حقیقت مع جواب	"
جاہلانہ شبہات	۲۸۴
نسخ کے مفہوم میں متقدمین ومتاخرین	۲۸۵
کی اصطلاحوں میں فرق	
آیت ام تریدون ان تسئلوا ۱۰۸	۲۸۷
مع خلاصۂ تفسیر	
آیات ودّ کثیر ۱۰۹، ۱۱۰ مع خلاصۂ تفسیر	"
آیات وقالوا لن یدخل الجنۃ ۱۱۱ تا ۱۱۳	۲۸۹
مع خلاصۂ تفسیر	
معارف ومسائل	۲۹۱

مضامین	صفحہ
نسلی مسلمان ہو یا یہودی ونصرانی، ایمان و	۲۹۲
اعتقاد اور عملِ صالح کے بغیر کچھ نہیں۔	
آیات ومن اظلم ممن منع ۱۱۴ و ۱۱۵	۲۹۵
مع خلاصۂ تفسیر	
فوائد از بیان القرآن	۲۹۷
معارف ومسائل	۲۹۸
تحویل قبلہ کی بحث	۳۰۱
آیات وقالوا اتخذ اللہ ولدا ۱۱۶، ۱۱۷	۳۰۳
مع خلاصۂ تفسیر	
آیت وقال الذین لا یعلمون ۱۱۸	۳۰۴
مع خلاصۂ تفسیر	
آیت انا ارسلنٰک بالحق ۱۱۹ مع خلاصۂ تفسیر	۳۰۵
آیت ولن ترضٰی عنک الیہود ۱۲۰	۳۰۶
مع خلاصۂ تفسیر	
الذین اٰتینٰہم الکتٰب مع خلاصۂ تفسیر	۳۰۷
آیات یٰبنی اسرائیل اذکروا ۱۲۲ تا ۱۲۳	"
مع خلاصۂ تفسیر	
آیت واذ ابتلٰی ابراہیم ربہ ۱۲۴	۳۰۸
مع خلاصۂ تفسیر	
معارف ومسائل	۳۰۹
حضرت خلیل اللہؑ کے عظیم امتحانات اور	"
مضامینِ امتحان۔	
اللہ کے نزدیک علمی موشگافیوں سے زیادہ	۳۱۰
قدر عمل و کردار کی ہے۔	
آیت واذ جعلنا البیت مثابۃً ۱۲۵	۳۱۶
مع خلاصۂ تفسیر	

مضامین	صفحہ
معارف ومسائل	۳۱۶
حضرت خلیل اللہؑ کی ہجرتِ مکہ اور بناءِ بیت اللہ	"
کا تفصیلی واقعہ۔	
احکام ومسائل متعلقِ حرم	۳۲۰
آیات واذ قال ابراہیم رب اجعل ہٰذا بلدًا	۳۲۴
مع خلاصۂ تفسیر ۱۲۶ تا ۱۲۸	
معارف ومسائل	۳۲۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں	"
حکمتِ ابراہیمی	۳۲۷
رزقِ ثمرات تمام ضروریاتِ زندگی کو شامل ہے	"
حضرت خلیل اللہؑ کی احتیاط	۳۲۸
اپنے نیک عمل پر بھروسہ اور قناعت نہ کرنے کی تعلیم۔	"
آیت ربنا وابعث فیہم رسولًا ۱۲۹ مع خلاصۂ تفسیر	۳۲۹
تشریحِ لغات	۳۳۰
معارف ومسائل	۳۳۱
بعثت خاتم الانبیاءؐ کی خصوصیات	"
آپؐ کی بعثت کے تین مقاصد	"
پہلا مقصد، تلاوتِ آیات	۳۳۲
قرآن کے الفاظ کی تلاوت بے سمجھے بھی ثواب ہے	۳۳۳
بعثت کا دوسرا مقصد تعلیم	"
تیسرا مقصد تزکیہ	۳۳۵
ہدایت واصلاح کے دو سلسلے کتاب اللہ اور	۳۳۶
رجال اللہ۔	
اصلاحِ انسانی کے لئے تعلیم کے ساتھ اخلاقی	۳۳۹
تربیت بھی لازم ہے۔	
آیات ومن یرغب عن ملۃ ابراہیم ۱۳۰ تا ۱۳۲	۳۴۲
مع خلاصۂ تفسیر وحلِ لغات	"

مضامین	صفحہ
معارف ومسائل	۳۴۳
ملتِ ابراہیمی کا بنیادی اصول اطاعتِ حق	۳۴۴
آیات ام کنتم شہداء ۱۳۳، ۱۳۴ مع خلاصۂ تفسیر	۳۴۸
معارف ومسائل	۳۴۹
اولاد کو دین واخلاق سکھانے کے برابر کوئی دولت نہیں۔	۳۵۰
مسئلۂ توریث الجد	۳۵۱
آباء واجداد کے اعمال کی جزاء وسزا اولاد پر نہیں ہوگی۔	〃
آیات وقالوا کونوا ہودًا او نصٰریٰ ۱۳۵، ۱۳۶ مع خلاصۂ تفسیر	۳۵۲
معارف ومسائل	۳۵۳
آیات فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم ۱۳۷، ۱۳۸ مع خلاصۂ تفسیر	۳۵۴
معارف ومسائل	〃
ایمان کی مختصر اور جامع تعریف	〃
فرشتہ اور رسول کی عظمت ومحبت میں اعتدال مطلوب ہے غلو گمراہی ہے۔	۳۵۵
نبوت کی اختراعی قسمیں باطل ہیں۔	۳۵۶
ایمان بالآخرۃ کی تاویلات باطلہ مردود ہیں۔	〃
رسول کی حفاظت کا ذمہ دار خدا ہے۔	〃
دین وایمان ایک گہرا رنگ ہے۔	〃
آیات قل اتحاجوننا فی اللہ ۱۳۹ تا ۱۴۱ مع خلاصۂ تفسیر	۳۵۷
معارف ومسائل	۳۵۸
اخلاص کی حقیقت	〃

مضامین	صفحہ
آیت سیقول السفہاء مع خلاصۂ تفسیر	۳۵۹
معارف ومسائل	〃
نماز میں خاص بیت اللہ کا استقبال ضروری نہیں اس کی سمت کا استقبال بھی بیرونی دنیا کے لئے کافی ہے۔	۳۶۳
آیت وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطًا، مع خلاصۂ تفسیر	۳۶۵
معارف ومسائل	〃
امتِ محمدیہ کا خاص اعتدال	〃
اعتدالِ امت کی حقیقت اور کچھ تفصیل	۳۶۶
امتِ محمدیہ میں ہر قسم کا اعتدال	۳۶۸
اعتقادی اعتدال	۳۷۰
عمل اور عبادت میں اعتدال	۳۷۱
معاشرتی اور تمدنی اعتدال	〃
اقتصادی اور مالی اعتدال	۳۷۲
شہادت کے لئے عدل وثقہ ہونا ضروری ہے۔	〃
اجماع کا حجت ہونا	〃
آیت وما جعلنا القبلۃ ۱۴۳ مع خلاصۂ تفسیر	۳۷۳
معارف ومسائل	۳۷۴
کعبہ کے قبلۂ نماز ہونے کی ابتداء کب ہوئی	〃
بعض احکام متعلقہ	۳۷۵
کبھی سنت کو قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ کیا جاتا ہے۔	〃
خبرِ واحد جبکہ قرائن قویہ اس کے ثبوت پر موجود ہوں اس سے قرآنی حکم منسوخ سمجھا جاسکتا ہے۔	۳۷۶
آلۂ مکبر الصوت کی آواز پر نماز میں نقل وحرکت مفسد نماز نہ ہونے پر استدلال۔	۳۷۷

مضامین	صفحہ
آیت قد نریٰ تقلب وجہک ۱۴۴ مع خلاصۂ تفسیر	۳۷۹
معارف ومسائل	۳۸۰
مسئلہ استقبالِ قبلہ	〃
سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے لئے شرعًا آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ پر مدار نہیں۔	۳۸۲
آیت ولئن اتیت الذین اوتوا الکتٰب ۱۴۵ مع خلاصۂ تفسیر	۳۸۴
معارف ومسائل	۳۸۵
آیات الذین اٰتینٰہم الکتٰب ۱۴۶ و ۱۴۷ مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف ومسائل	۳۸۶
آیات ولکل وجہۃ ہو مولیہا ۱۴۸ تا ۱۵۰ مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف ومسائل	۳۸۸
تحویلِ قبلہ کی حکمتیں	〃
مذہبی مسائل میں فضول بحثوں سے اجتناب کی ہدایت	۳۸۹
عبادات اور نیک اعمال میں بلا وجہ تاخیر مناسب نہیں، مسارعت کرنا چاہئے۔	۳۹۰
کیا ہر نماز کا اوّل وقت میں پڑھنا افضل ہے۔	〃
آیات کما ارسلنا ۱۵۱، ۱۵۲ مع خلاصۂ تفسیر	۳۹۱
معارف ومسائل	〃
ذکر اللہ کے فضائل	۳۹۲
ذکر اللہ کی اصل حقیقت	〃
آیت یا ایہا الذین اٰمنوا استعینوا ۱۵۳ مع خلاصۂ تفسیر	۳۹۳

مضامین	صفحہ
معارف ومسائل	۳۹۴
صبر اور نماز ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج ہیں	〃
صبر کی اصل حقیقت	〃
صبر اور نماز تمام مشکلات ومصائب سے نجات کا سبب اس لئے ہیں کہ صبر سے اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے	۳۹۵
آیات ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ	〃
ربط ۱۵۴ تا ۱۵۷ مع خلاصۂ تفسیر	۳۹۶
معارف ومسائل	۳۹۷
شہداء اور انبیاء کی حیات برزخی اور درجات میں تفاضل	〃
مصائب پر صبر کے آسان کرنے کی ایک خاص تدبیر	۳۹۸
مصیبت میں اناللہ کو سمجھ کر پڑھا جائے تو تسکینِ قلب کا بہترین علاج ہے۔	۳۹۹
آیت ان الصفا والمروۃ ۱۵۸ ربط مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف ومسائل وبعض لغات کی تحقیق	۴۰۰
صفا ومروہ کے درمیان سعی واجب ہے	〃
آیات ان الذین یکتمون ۱۵۹ تا ۱۶۲ مع خلاصۂ تفسیر	۴۰۱
معارف ومسائل	۴۰۲
علم دین کا اظہار اور پھیلانا واجب اور اس کا چھپانا سخت حرام ہے	〃
حدیثِ رسول بھی قرآن کے حکم میں ہے	۴۰۳
بعض گناہوں کا وبال ایسا ہوتا ہے کہ اس پر ساری مخلوق لعنت کرتی ہے۔	〃
کسی معین شخص پر لعنت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو۔	۴۰۵
آیات والٰہکم الٰہ واحد ۱۶۳ و ۱۶۴ مع خلاصۂ تفسیر	〃

مضامین	صفحہ
ربط اور معارف و مسائل	۴۰۶
توحید کا وسیع مفہوم	〃
آیت ومن الناس من یتخذ ۱۶۵ ربط مع خلاصہ تفسیر	۴۰۸
آیت اذ تبرّأ الذین اتبعوا، ربط مع خلاصہ تفسیر ۱۶۶، ۱۶۷	۴۰۹
آیت یا ایہا النّاس، مع خلاصۂ تفسیر ۱۶۸، ۱۶۹	۴۱۰
معارف و مسائل	۴۱۱
جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حلال بنایا ہے ان کو بتوں کے نام سے حرام بنا کر کھانے کی ممانعت	〃
اگر جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو غیر اللہ کے تھان پر ذکر کر کے چھوڑ دیا تو اس سے توبہ کی نوعیت کیا ہوگی	۴۱۲
آیات واذا قیل لہم اتبعوا ۱۷۰، ۱۷۱ مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف و مسائل	۴۱۳
جاہلانہ تقلید اور ائمۂ مجتہدین کی تقلید میں فرق	〃
آیات یا ایہا الذین آمنوا کلوا ۱۷۲، ۱۷۳	۴۱۴
مع خلاصۂ تفسیر و ربط	۴۱۵
معارف و مسائل	۴۱۶
حلال کھانے کی برکت اور حرام کھانے کی نحوست	〃
میتہ یعنی مردار کے مسائل	۴۱۷
بندوق کی گولی سے شکار کے مسائل	〃
خون کے مسائل	۴۱۹
مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ	〃
تحریم خنزیر	۴۲۱
مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تین صورتیں	〃

مضامین	صفحہ
نذر لغیر اللہ کا مسئلہ	۴۲۴
اضطرار و مجبوری کے احکام	〃
اہم فائدہ	۴۲۵
حالتِ اضطرار میں دوا کے لئے حرام چیزوں کا استعمال۔	〃
غیر اضطراری حالت میں عام علاج و دوا کے لئے حرام چیز کا استعمال۔	۴۲۶
مسئلہ: انگریزی دواؤں کا حکم	۴۲۷
آیات اِنّ الّذین یکتمون ۱۷۴ تا ۱۷۶	〃
مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	
معارف و مسائل	۴۲۸
دین فروشی کی سزا	〃
آیت لیس البرّ ان تولّوا ۱۷۷ مع خلاصۂ تفسیر	۴۲۹
ربط از بیان القرآن	۴۳۰
ابواب البرّ	
معارف و مسائل	۴۳۱
احکامِ اسلامیہ کی ایک جامع آیت	۴۳۲
مسئلہ: مالی فرض صرف زکوٰۃ سے پورا نہیں ہوتا ہے۔	〃
فائدہ۔	۴۳۳
آیات یا ایہا الّذین آمنوا کتب ۱۷۸، ۱۷۹	۴۳۴
مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	
حکم اوّل، قصاص	〃
معارف و مسائل	۴۳۵
قصاص کے متعلق اسلام کا عادلانہ قانون	۴۳۶
قصاص کے مسائل	〃
آیات کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ۱۸۰ تا ۱۸۲	۴۳۷

مضامین	صفحہ
مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	۴۳۸
ابوابِ بر کا دوسرا حکم، وصیت	۴۳۸
معارف و مسائل	۴۳۹
دوسرا حکم۔ وصیت کا فرض ہونا	〃
وصیت کے مسائل	۴۴۰
آیات کتب علیکم الصیام ۱۸۳ و ۱۸۴	۴۴۱
مع خلاصۂ تفسیر	
حکم سوم	۴۴۲
معارف و مسائل	〃
پچھلی امتوں میں روزے کا حکم	〃
مریض کا روزہ	۴۴۳
مسافر کا روزہ	〃
لفظ علیٰ سفرٍ کا نکتہ	〃
روزہ کی قضا	۴۴۴
روزہ کا فدیہ	۴۴۵
فدیہ کی مقدار اور متعلقہ مسائل	۴۴۶
آیت شہر رمضان الّذی ۱۸۵ مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	〃
تعیین ایامِ صیام و متعلقہ مسائل	۴۴۷
معارف و مسائل	۴۴۸
آیت واذا سالک عبادی عنّی ۱۸۶	۴۵۰
مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	
آیت اُحلّ لکم لیلۃ الصیام الرفث ۱۸۷	۴۵۲
مع خلاصۂ تفسیر	
حکم چہارم، رمضان کی راتوں میں جماع	〃
حکم پنجم، اعتکاف	۴۵۳
معارف و مسائل	〃
ثبوت احکامِ شرعیہ کے لئے قولِ رسول بھی بحکم قرآن ہے۔	۴۵۴
سحری کھانے کا آخری وقت	۴۵۴
اعتکاف کے مسائل	۴۵۶
روزے کے معاملہ میں احتیاط کا حکم	۴۵۶

مضامین	صفحہ
آیت ولا تاکلوا اموالکم بالباطل ۱۸۸	۴۵۷
مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	〃
حکمِ ششم، مالِ حرام سے بچنا	〃
معارف و مسائل	〃
کسبِ مال کے اچھے بُرے ذرائع اور اچھائی بُرائی کا معیار	۴۵۸
اسلامی نظامِ معاش ہی دنیا میں امنِ عالم قائم کر سکتا ہے	〃
مالِ حلال کی برکات اور حرام کی نحوست	۴۶۱
محشر میں ہر انسان سے پانچ اہم سوالات	۴۶۳
آیات یسئلونک عن الاہلّۃ ۱۸۹ تا ۱۹۱ و ربط آیات	۴۶۴
مع خلاصۂ تفسیر	۴۶۵
حکم ہفتم، اعتبار حساب قمری در حج وغیرہ	〃
حکم ہشتم، اصلاح رسم جاہلیت	〃
حکم نہم، قتالِ کفّار	〃
معارف و مسائل	۴۶۶
قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت	۴۶۷
نواں حکم، جہاد و قتال	۴۶۹
آیات فان انتہوا، ۱۹۲ تا ۱۹۵ مع خلاصۂ تفسیر	۴۷۱
حکم دہم، انفاق فی الجہاد	۴۷۲
معارف و مسائل	۴۷۳
دسواں حکم، جہاد کے لئے مال خرچ کرنا	〃
آیات واتموا الحج والعمرۃ للہ ۱۹۶ تا ۲۰۳ مع خلاصۂ تفسیر	۴۷۵
گیارہواں حکم؛ متعلق حج و عمرہ	۴۷۷
معارف و مسائل	۴۸۰
احکام حج و عمرہ	〃
احرام کے بعد کوئی مجبوری پیش آجائے حج و عمرہ ادا نہ کر سکیں تو کیا کریں؟	۴۸۱
حالتِ احرام میں بال منڈانے پر کوئی مجبور ہو جائے تو وہ کیا کرے؟	〃

مضامین	صفحہ
حج کے مہینوں میں حج وعمرہ کو جمع کرنے کے احکام	۴۸۲
تمتع وقران	〃
احکامِ حج وعمرہ میں خلاف ورزی اور کوتاہی موجبِ عذاب ہے۔	۴۸۳
احکامِ حج کی آٹھ آیتوں میں سے دوسری آیت اور اس کے مسائل۔	〃
بلاغتِ قرآن	۴۸۶
سفرِ حج میں تجارت یا مزدوری کیسا ہے؟	〃
عرفات میں وقوف اور اس کے بعد مزدلفہ کا وقوف۔	۴۸۷
انسانی مساوات کا زریں سبق اور اس کی بہترین عملی صورت۔	۴۸۹
رسومِ جاہلیت کی اصلاح، منیٰ میں فضول اجتماعات کی ممانعت۔	۴۹۰
ایک اور رسمِ جاہلیت کی اصلاح، دین و دنیا کی طلب میں اسلامی اعتدال	۴۹۱
منیٰ میں دو یا تین دن کا قیام اور ذکر اللہ کی تاکید۔	۴۹۲
آیات ومن الناس من یعجبک ۲۰۴ تا ۲۰۷ مع خلاصۂ تفسیر	۴۹۵
ربطِ آیات و معارف ومسائل	۴۹۶
آیات یا ایہا الذین اٰمنوا ادخلوا ۲۰۸ تا ۲۱۰	۴۹۷
مع خلاصۂ تفسیر و ربط آیات	۴۹۸
معارف ومسائل	۴۹۹
آیات سل بنی اسرائیل ۲۱۱، ۲۱۲	۵۰۰
ربط آیات مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف ومسائل	۵۰۱

مضامین	صفحہ
آیت کان الناس امۃ واحدۃ ۲۱۳	۵۰۲
ربط آیات مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف ومسائل	۵۰۳
مسائل	۵۰۷
آیت ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ۲۱۴	۵۰۹
ربط آیات مع خلاصۂ تفسیر	〃
معارف ومسائل	۵۱۰
آیت یسئلونک ماذا ینفقون ۲۱۵	〃
مع خلاصۂ تفسیر	۵۱۱
بارہواں حکم، صدقہ کے مصارف	〃
معارف ومسائل	〃
آیات کُتِبَ علیکم القتال ۲۱۶ تا ۲۱۸	۵۱۴
مع خلاصۂ تفسیر	۵۱۵
تیرہواں حکم، فرضیت جہاد	〃
چودہواں حکم، تحقیق قتال در شہر حرام	〃
انجامِ ارتداد	۵۱۶
وعدۂ ثواب بر اخلاصِ نیت	〃
معارف ومسائل	۵۱۷
بعض احکامِ جہاد	〃
اشہرِ حُرم میں قتال کا حکم	۵۱۹
انجامِ ارتداد	۵۲۰
آیت یسئلونک عن الخمر مع خلاصۂ تفسیر	۵۲۱
پندرہواں حکم، متعلقہ شراب و قمار	〃
معارف ومسائل	〃
حرمتِ شراب کے متعلق خاص احکام	〃
حرمتِ شراب کے تدریجی احکام	۵۲۴
صحابہ کرامؓ میں تعمیلِ حکم کا بے مثال جذبہ	۵۲۵
اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاستوں کا فرق عظیم	۵۲۶
شراب کے مفاسد اور فوائد میں موازنہ	۵۲۷
آیت ومن ثمرات النخیل مع خلاصۂ تفسیر	۵۳۰

مضامین	صفحہ
حرمتِ قمار (جوا)	۵۳۲
قمار کے اجتماعی اور سماجی نقصانات	۵۳۴
چند فقہی ضابطے اور فوائد	۵۳۶
آیات یسئلونک ماذا ینفقون ۲۱۹ تا ۲۲۱	۵۳۷
مع خلاصۂ تفسیر	۵۳۸
سولہواں حکم، مقدارِ انفاق	〃
سترہواں حکم، مخالطتِ یتیم	〃
اٹھارہواں حکم، مناکحتِ کفار	۵۳۹
فوائد از بیان القرآن	〃
معارف ومسائل	۵۴۰
مسلم وکافر کا باہمی ازدواج ممنوع ہے	〃
آیات ویسئلونک عن المحیض ۲۲۲ و ۲۲۳	۵۴۲
مع خلاصۂ تفسیر	۵۴۳
حکم نمبر۱۹، حیض میں جماع کی حرمت اور پاکی کی شرائط	〃
آیت لا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ۲۲۴	۵۴۴
مع خلاصۂ تفسیر	〃
حکم نمبر۲۰، نیک کام نہ کرنیکی قسم کی ممانعت	〃
آیت لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم مع خلاصۂ تفسیر	〃
حکم نمبر۲۱، جھوٹی قسمیں کھانیکا حکم، آیت ۲۲۵	〃
مع خلاصۂ تفسیر	۵۴۵
حکم نمبر۲۲، ایلاء کا حکم، آیات ۲۲۶ و ۲۲۷	〃
آیت والمطلقٰت ۲۲۸ مع خلاصۂ تفسیر	〃
حکم نمبر۲۳ و ۲۴، مطلقہ کی عدت اور مدتِ رجعت کا بیان	〃
مسائل متعلقہ آیت	۵۴۶
معارف ومسائل	۵۴۷
مرد و عورت کے فرق کا بیان	〃
اسلام میں عورت کا موقف	〃
اسلام سے پہلے معاشرہ میں عورت کا درجہ	۵۴۸
عورتوں کو مردوں کی نگرانی اور قیادت سے بالکل آزاد رکھنا فسادِ عالم کا بہت بڑا سبب ہے	۵۴۹
مرد کا تفوق عورت پر صرف دنیوی معاملات میں	۵۵۱
آیات الطلاق مرتٰن ۲۲۹ و ۲۳۰ مع خلاصۂ تفسیر	۵۵۳
حکم نمبر۲۵، طلاقِ رجعی کی تعداد۔ حکم نمبر۲۶، خلع	۵۵۴
حکم نمبر۲۷، تین طلاقوں کے بعد حلالہ	〃

مضامین	صفحہ
معارف ومسائل	۵۵۵
نکاح وطلاق کی شرعی حیثیت اور حکیمانہ نظام	〃
تین طلاق اور اس کے احکام کی تفصیل	۵۵۹
اگر کسی نے غیر مستحسن یا غیر مشروع طریقہ سے تین طلاق دے دی تو اس کا اثر کیا ہوگا؟	۵۶۲
حضرت فاروقِ اعظمؓ کا واقعہ اور متعلقہ اشکال و جواب	۵۶۵
آیات اذا طلقتم النساء ۲۳۱، ۲۳۲ مع خلاصۂ تفسیر	۵۶۹
حکم نمبر۲۸، عورتوں کو معلق رکھنے کی ممانعت	۵۷۰
حکم نمبر۲۹، عورتوں کو نکاحِ ثانی سے منع کرنیکی ممانعت	〃
معارف ومسائل	〃
طلاق کے بعد رجعت یا انقطاعِ نکاح دونوں کے لئے خاص ہدایات۔	۵۷۱
نکاح وطلاق کو کھیل نہ بناؤ	۵۷۳
طلاق میں اصل یہی ہے کہ صریح اور رجعی طلاق دی جائے۔	۵۷۴
مطلقہ عورتوں کو اپنی مرضی کی شادی کرنے سے بلا وجہ شرعی روکنا حرام ہے۔	〃
قانون سازی اور تنفیذِ قانون میں قرآن کا حکیمانہ اصول۔	۵۷۷
آیت والوالدات یرضعن ۲۳۳ مع خلاصۂ تفسیر	۵۷۸
حکم نمبر۳۰، رضاعت	۵۷۹
معارف ومسائل	〃
دودھ پلانا ماں کے ذمہ واجب ہے	۵۸۰
پوری مدتِ رضاعت	〃
بچہ کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ اور ماں کا نان نفقہ وضروریات باپ کے ذمہ ہے۔	۵۸۱
زوجہ کا نفقہ شوہر کی حیثیت کے مناسب ہو، ناچاقی یا بیوی کی	〃
ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کرنے نہ کرنیکی تفصیل	〃
عورت جب تک نکاح میں ہو تو اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی، طلاق و عدت کے بعد کر سکتی ہے۔	۵۸۲

مضامین	صفحہ
یتیم بچہ کو دودھ پلوانے کی ذمہ داری کس پر ہے؟	۵۸۲
دودھ چھڑانے کے احکام	۵۸۳
ماں کے سوا دوسری عورت کا دودھ پلوانے کے احکام	״
آیات والذین یتوفون ۲۳۴، ۲۳۵	״
مع خلاصۂ تفسیر	۵۸۴
حکم نمبر ۳۱، شوہر کی وفات ہونے کی صورت میں عدت کا بیان	״
حکم نمبر ۳۲، عدت میں نکاح کا پیغام دینا	۵۸۵
معارف ومسائل	״
عدت کے بعض احکام	״
آیات لاجناح علیکم ان طلقتم النساء ۲۳۶، ۲۳۷	۵۸۶
مع خلاصۂ تفسیر	
حکم نمبر ۳۳، طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر کے وجوب و عدمِ وجوب کا بیان	״
معارف ومسائل	۵۸۷
آیات حٰفظوا علی الصلوات ۲۳۸، ۲۳۹	۵۸۸
مع خلاصۂ تفسیر	۵۸۹
حکم نمبر ۳۴، نمازوں کی حفاظت کا بیان	״
معارف ومسائل	״
آیات والذین یتوفون ۲۴۰ تا ۲۴۲	۵۹۰
مع خلاصۂ تفسیر	״
حکم نمبر ۳۵، بیوہ عورت کی سکونت اور متاع کی بعض اقسام کا بیان	״
معارف ومسائل	۵۹۱
آیات ۲۴۳ و ۲۴۴، مع خلاصۂ تفسیر	۵۹۲
معارف ومسائل	״
تدبیر پر تقدیر غالب ہے۔	۵۹۵
جس بستی میں کوئی وبا طاعون وغیرہ ہو اس میں جانا یا وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ جانا دونوں ناجائز ہیں۔	״
دربارۂ طاعون ارشادِ نبوی کی حکمتیں۔	۵۹۷
بعض خاص صورتوں کا استثناء	۵۹۸
آیت من ذا الذی یقرض اللہ ۲۴۵	۶۰۰
مع خلاصۂ تفسیر	
جہاد وغیرہ کارِ خیر میں انفاق کی ترغیب	״
معارف ومسائل	״
آیات الم تر الی الملإ ۲۴۶ تا ۲۵۱	۶۰۲
ربط آیات مع خلاصۂ تفسیر	۶۰۴
طالوت اور جالوت کا قصہ	״
معارف ومسائل	۶۰۶
آیت ۲۵۲ مع خلاصۂ تفسیر	۶۰۷
نبوتِ محمدیہ پر استدلال	״
آیت تلک الرسل فضلنا ۲۵۳ مع خلاصۂ تفسیر	۶۰۸
بعض انبیاءؑ اور امتوں کے احوال	״
معارف ومسائل	۶۰۹
آیت ۲۵۴ مع خلاصۂ تفسیر	۶۱۰
انفاق فی سبیل اللہ میں تعجیل کرنا	״
آیت الکرسی کی تشریح و تفسیر آیت ۲۵۵	۶۱۱
معارف ومسائل	۶۱۲
آیت الکرسی کے خاص فضائل	״
آیت لا اکراہ فی الدین ۲۵۶	۶۱۵
مع خلاصۂ تفسیر	۶۱۶
معارف ومسائل	״
آیت ۲۵۷ اللہ ولی الذین و معارف ومسائل	۶۱۷
آیت الم تر الی الذی حاج ابراہیم ۲۵۸	۶۱۸
مع خلاصۂ تفسیر	״
معارف ومسائل	۶۱۹
آیت او کالذی مر علی قریۃ ۲۵۹	״
مع خلاصۂ تفسیر	۶۲۰
آیت واذ قال ابراہیم رب ارنی ۲۶۰	۶۲۱
مع خلاصۂ تفسیر	

مضامین	صفحہ
معارف ومسائل	۶۲۲
حضرت خلیل اللہؑ کی درخواست حیات بعد الموت کا مشاہدہ اور شبہات کا ازالہ۔	״
واقعہ مذکورہ پر چند سوالات مع جوابات	۶۲۴
آیات مثل الذین ینفقون اموالہم ۲۶۱ تا ۲۶۶	۶۲۶
مع خلاصۂ تفسیر	۶۲۸
معارف ومسائل	۶۳۰
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ایک مثال	۶۳۱
قبولیتِ صدقات کی مثبت شرائط	״
قبولیتِ صدقہ کی منفی شرائط	۶۳۲
آیات یا ایہا الذین امنوا انفقوا ۲۶۷ تا ۲۷۴	۶۳۵
مع خلاصۂ تفسیر	۶۳۷
معارف ومسائل	۶۳۹
عشر اراضی کے احکام	״
حکمت کے معنی اور تفسیر	۶۴۰
آیات الذین یاکلون الربٰوا ۲۷۵ تا ۲۸۱	۶۴۳
مع خلاصۂ تفسیر	۶۴۵
معارف ومسائل	۶۴۷
سود و ربا کی اسلامی تعریف اور اس کے حرام ہونے کی حکمت اور موجودہ زمانہ میں اس سے نجات کی صورت	۶۶۲
سود و ربا کی معاشی خرابیاں	۶۷۱
خویش پروری اور ملت کشی کی ایک اور چال	۶۷۴
بینکنگ سسٹم میں کچھ نہ کچھ فائدہ عوام کو ملنے کا شبہ اور اس کا جواب	۶۷۶
فریضۂ زکوٰۃ ایک حیثیت سے تجارت کی ترقی کا ضامن ہے	״
سود کی روحانی بیماریاں	۶۷۷
کیا سود کے بغیر کوئی تجارت نہیں چل سکتی	״
سود کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات	۶۸۰
آیات اذا تداینتم ۲۸۲، ۲۸۳	۶۸۲
مع خلاصۂ تفسیر	
معارف ومسائل	۶۸۵
قرض اور ادھار کے لئے اقرار نامہ لکھنے کی ہدایت اور متعلقہ احکام۔	״
ضابطۂ شہادت کے چند اہم اصول	۶۸۶
گواہی کیلئے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہونا ضروری ہیں	״
گواہوں کی شرائط	۶۸۷
گواہی دینے کیلئے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے۔	״
اسلام میں عدل وانصاف قائم کرنے کا اہم اصول کہ گواہوں کو کوئی نقصان یا تکلیف نہ پہنچے	״
آیت للہ ما فی السمٰوٰت ۲۸۴ مع خلاصۂ تفسیر	۶۸۹
معارف ومسائل	״
آیت امن الرسول بما انزل الیہ تا آخر سورت	۶۹۲
آیت ۲۸۵، ۲۸۶ مع خلاصۂ تفسیر	״
معارف ومسائل	۶۹۴
تمت	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدّمہ

علومِ قرآن اور علمِ تفسیر سے متعلق ضروری معلومات

از
محمد تقی عثمانی
استاذِ حدیث دارالعلوم کراچی ۱۴
(فرزند حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

پیش لفظ

والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی تفسیر معارف القرآن کو اللہ تعالیٰ نے عوام و خواص میں غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی، اور جلد اوّل کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگیا، دوسرے ایڈیشن کی طباعت کے وقت حضرت مصنف مدظلہم نے جلد اول پر مکمل طور سے نظر ثانی فرمائی، اور اس میں کافی ترمیم و اضافہ عمل میں آیا، اسی کے ساتھ حضرت موصوف مدظلہم کی خواہش تھی کہ دوسری اشاعت کے وقت جلد اوّل کے شروع میں علوم قرآن اور اصولِ تفسیر سے متعلق ایک مختصر مقدمہ بھی تحریر فرمائیں، تاکہ تفسیر کے مطالعہ سے پہلے قارئین ان ضروری معلومات سے مستفید ہو سکیں، لیکن متواتر امراض اور ضعف کی بناء پر موصوف کے لئے بذاتِ خود اس مقدمے کی تصنیف مشکل تھی، چنانچہ حضرت موصوف نے یہ ذمہ داری احقر کے سپرد فرمائی۔

احقر نے تعمیلِ حکم اور تحصیلِ سعادت کے لئے یہ کام شروع کیا تو یہ مقدمہ بہت طویل ہوگیا، اور علوم قرآن کے موضوع پر خاصی مفصل کتاب کی صورت بن گئی، اس پوری کتاب کو معارف القرآن کے شروع میں بطور مقدمہ شامل کرنا مشکل تھا، اس لئے حضرت والد صاحب مدظلہم کے ایماء پر احقر نے اس مفصل کتاب کی تلخیص کی، اور صرف وہ مباحث باقی رکھے جن کا مطالعہ تفسیر معارف القرآن کے مطالعہ کرنے والے کے لئے ضروری تھا، اور جو ایک عام قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہو سکتے تھے، یہ تلخیص معارف القرآن جلد اول کے زیر نظر ایڈیشن میں بطور مقدمہ شامل کی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ اسے مسلمانوں کے لئے نافع اور مفید بنادے اور اس ناچیز کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

ان موضوعات پر مبسوط علمی مباحث احقر کی اُس مفصل کتاب میں مل سکیں گے جو ان شاء اللہ عنقریب مستقل کتابی صورت میں شائع ہوگی[1]، لہٰذا جو حضرات تحقیق اور تفصیل کے طالب ہوں وہ اُس کتاب کی طرف رجوع فرمائیں، وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

احقر
محمد تقی عثمانی
۲۳ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ

دارالعلوم کورنگی
کراچی ۱۴

[1] الحمد للہ یہ کتاب "علوم القرآن" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی،

وحی اور اُس کی حقیقت

قرآن کریم چونکہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اس لئے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کرکے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لئے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدِ نظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو "علم" کی ضرورت ہے، اس لئے کہ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کونسی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دُنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، نیز جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کونسے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ، کان، مُنہ اور ہاتھ پاؤں، دوسرے عقل اور تیسرے وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعہ اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں اُن کا علم نِری عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کرکے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا عِلم عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم

نہیں ہو سکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جاکر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعہ، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا، یہ نہ حواس کے ذریعہ ممکن ہے نہ عقل کے ذریعہ، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام وحی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر اسے اپنا پیغمبر قرار دیدیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو "وحی" کہا جاتا ہے۔

اس سے واضح ہوگیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعہ حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحیِ الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے ادراک کے لئے نری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں، اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیجدے، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا

مقصد بتائے، اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اُس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوندِ قدّوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیّر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ "وحی" محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔

حضورؐ پر نزولِ وحی کے طریقے

وحی و رسالت کا یہ مقدس سلسلہ سرکارِ دو عالم محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا، اب کسی انسان پر نہ وحی نازل ہوگی اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے۔ (صحیح بخاریؒ ۲/۱)

اس حدیث میں آپؐ نے "وحی" کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور کلامِ الٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لئے آپؐ نے اُسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دیدی ہے (فیض الباری ۱/۱۹ و ۲۰)

جب اس طریقے سے آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے ہوتے

دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپؐ کی مبارک پیشانی پسینہ سے شرابور ہوچکی ہوتی تھی، ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضؓ بیان فرماتی ہیں، کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کا سانس رُکنے لگتا، چہرۂ انور متغیر ہوکر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپؐ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے (الاتقان ۱/۴۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہوجاتی کہ آپؐ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے وہ آپؐ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سرِ اقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی (زاد المعاد ۱/۱۸ و ۱۹)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سُنائی دیتی تھی (تبویب مسند احمدؒ کتاب السیرۃ النبویہؐ ۲۰/۲۱۲)

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں، بہرکیف! جب حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی (الاتقان ۱/۴۶)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپؐ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپؐ نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری ۱/۱۸ و ۱۹)

چوتھی صورت براہِ راست اور بلاواسطہ اللہ تبارکؔ تعالیٰ سے ہمکلامی کی ہے، یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں (اتقان ۱/۴۶)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلبِ مبارک میں کوئی بات اِلقاء فرما دیتے تھے، اسے اصطلاح میں "نفث فی الروع" کہتے ہیں (ایضاً)

تاریخ نزولِ قرآن

قرآن کریم دراصل کلامِ الٰہی ہے، اس لئے ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵: ۲۱-۲۲) (بلکہ یہ قرآن مجید ہے، لوح محفوظ میں)[1] پھر لوحِ محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمانِ دنیا کے بیتِ عزّت میں نازل کردیا گیا تھا، بیت عزّت (جسے البیت المعمور بھی کہتے ہیں) کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کرکے حسبِ ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ تیئیس سال میں اس کی تکمیل ہوئی، نزولِ قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآن کریم کے اندازِ بیان سے بھی واضح ہیں، اس کے علاوہ نسائیؒ، بیہقیؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے کہ قرآن کریم کا پہلا نزول یکبارگی آسمانِ دنیا پر ہوا اور دوسرا نزول بتدریج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (اتقان ۱/۴۱)

قرآن کریم کو پہلی مرتبہ آسمانِ دنیا پر نازل کرنے کی حکمت امام ابوشامہؒ نے یہ بیان کی ہے کہ اس سے قرآن کریم کی رفعتِ شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا، اور ملائکہ کو یہ بات بتانی تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اہلِ زمین کی ہدایت کے لئے اُتاری جانے والی ہے۔

شیخ زرقانیؒ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اس طرح دو مرتبہ اُتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود تھا کہ یہ کتاب ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے، ایک لوحِ محفوظ میں اور دوسرے بیتِ عزّت میں (مناہل العرفان ۱/۳۹) واللہ اعلم۔

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا تدریجی نزول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر ہوا، اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپؐ کی عمر چالیسؔ سال تھی، اس نزول کی ابتداء بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر میں ہوئی ہے، اور یہی وہ تاریخ تھی جس میں چند سال بعد غزوۂ بدر پیش آیا، لیکن یہ رات رمضان کی کونسی تاریخ میں تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترھویں، بعض سے اُنیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے (تفسیر ابن جریرؒ ۱۰/۲)

سب سے پہلے نازل ہونیوالی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اتریں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں، صحیح بخاریؒ میں حضرت عائشہؓ اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتداء تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپؐ کو خلوت میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپؐ غارِ حرا میں کئی کئی راتیں گذارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن

[1] قارئین کے لئے یہ بات یقیناً سہولت اور خوشی کا باعث ہوگی کہ اس ایڈیشن میں وہ تمام آیاتِ قرآنیہ (جو حوالہ کے طور پر لکھی گئی ہیں) کا سورۃ نمبر اور آیت نمبر دیدیا گیا ہے۔ مثلاً زیرِ نظر سورۃ بروج نمبر شمار ۸۵ آیت نمبر ۲۱-۲۲ - ناشر

اسی غار میں آپؐ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا، اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ اِقْرَأْ (یعنی پڑھو) حضورؐ نے فرمایا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس کے بعد خود حضورؐ نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہو گئی، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ اِقْرَأْ، میں نے جواب دیا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہو گئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ اِقْرَأْ، میں نے جواب دیا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس پر اُس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھینچ کر چھوڑ دیا، پھر کہا:-

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الخ، (۹۶: ۱-۵)

"پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے" الخ۔

یہ آپؐ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانہ کو "فترتِ وحی" کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں آیا تھا، آپؐ کو آسمان و زمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اس نے سورۂ مدّثر کی آیات آپؐ کو سنائیں، اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

مکّی اور مدنی آیات آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہو گا کہ کسی سورۃ کے ساتھ مکّی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے، مفسرین کی اصطلاح میں "مکّی آیت" کا مطلب وہ آیت ہے جو آپؐ کے بغرضِ ہجرت مدینۂ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، اور "مدنی آیت" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی، بعض لوگ مکّی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکّہ میں نازل ہوئی، اور مدنی کا یہ کہ وہ شہر مدینہ میں اُتری، لیکن یہ مطلب درست نہیں، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکّہ میں نازل نہیں ہوئیں لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لئے انھیں مکّی کہا جاتا ہے، چنانچہ جو آیات منیٰ، عرفات یا سفرِ معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی مکّی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفرِ ہجرت کے دوران مدینہ کے راستہ میں نازل ہوئیں ان کو بھی مکّی کہا جاتا ہے، اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ مدنی ہیں، چنانچہ ہجرت کے بعد آپؐ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپؐ مدینہ طیبہ سے سیکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیتیں مدنی ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ اُن آیتوں کو بھی مدنی کہا جاتا ہے جو فتحِ مکّہ یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکّہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چنانچہ آیتِ قرآنی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا (۴: ۵۸)، مدنی ہے حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی (البرہان ۱/۱۸۸ و مناہل العرفان ۱/۱۸۸)

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکّی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورۃ مدّثر پوری مکّی ہے، اور سورۂ آلِ عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت مکّی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے، مثلاً سورۂ اعراف مکّی ہے، لیکن اس میں وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ سے لے کر وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيٓ اٰدَمَ الخ تک کی آیات مدنی ہیں (۷: ۱۶۳)، اسی طرح سورۂ حج مدنی ہے لیکن اس میں چار آیتیں یعنی وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰى سے لیکر عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ تک مکّی ہیں۔ (۲۲: ۵۲-۵۵)

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکّی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہو گئیں اُسے مکّی قرار دیدیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں ہوں۔

(مناہل العرفان ۱/۱۹۲)

مکّی و مدنی آیتوں کی خصوصیات علماء تفسیر نے مکّی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے انکی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے پہلی نظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکّی ہے یا مدنی؟ ان میں سے بعض خصوصیات قاعدۂ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اور بعض اکثری ہیں، قواعدِ کلیہ یہ ہیں:-

(۱) ہر وہ سورت جس میں لفظ کَلَّا (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکّی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے، اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے آخری نصف حصّہ میں ہیں۔

(۲) ہر وہ سورت جس میں (حنفی مسلک کے مطابق) کوئی سجدے کی آیت آئی ہو، مکّی ہے۔

(۳) سورۂ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت جس میں آدمؑ و ابلیس کا واقعہ مذکور ہے وہ مکّی ہے۔[1]

(۴) ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔

(۵) ہر وہ آیت جس میں منافقوں کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے۔

اور مندرجۂ ذیل خصوصیات عمومی اور اکثری ہیں، یعنی کبھی کبھی ان کے خلاف بھی ہو جاتا ہے لیکن اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔

۱۔ مکّی سورتوں میں عموماً يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ (اے لوگو) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے، اور مدنی سورتوں میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) کے الفاظ سے۔

۲۔ مکّی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں اور مدنی آیات و سُوَر طویل اور مفصل ہیں

[1] یہ قاعدہ اتقان وغیرہ سے ماخوذ ہے، اور یہ اس قول کے مطابق تو درست ہے جس کی رُو سے سورۂ حج مکی ہے لیکن اگر اسے مدنی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض صحابہؓ و تابعین سے مروی ہے تو سورۂ حج اس قاعدے سے مستثنیٰ ہو گی۔ محمد تقی عثمانی

۲۔ مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر و نشر کی منظر کشی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام و قوانین کم بیان ہوئے ہیں، اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد و قتال کے احکام اور حدود و فرائض بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔

۵۔ مکی سورتوں کا اُسلوبِ بیان زیادہ پرشکوہ ہے، اس میں استعارات و تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں، اور ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے، اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبۃً سادہ ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کے انداز و اسلوب میں یہ فرق دراصل حالات، ماحول اور مخاطبوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چونکہ زیادہ تر عرب کے بُت پرستوں سے تھا، اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی، اس لئے اس دور میں زیادہ زور عقائد کی درستی، اخلاق کی اصلاح، بُت پرستوں کی مدلّل تردید اور قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے اظہار پر دیا گیا، اس کے برخلاف مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آچکی تھی، لوگ جوق در جوق اسلام کے سائے تلے آرہے تھے، علمی سطح پر بُت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہلِ کتاب سے تھا، اس لئے یہاں احکام و قوانین اور حدود و فرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی، اور اسی کے مناسب اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا۔

قرآنِ کریم کا تدریجی نزول

پیچھے آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم دفعۃً اور یکبارگی نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے تقریباً تیئیس ۲۳ سال میں اُتارا گیا ہے، بعض اوقات جبرئیل علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جزء لے کر بھی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (نساء: ۹۵) ہے جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، دوسری طرف پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے (ابن کثیر ۲/۱۲۲)

قرآن کریم کو یکبارگی نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کرکے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکینِ عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:-

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ
لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا

جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝ (الفرقان: ۳۲ و ۳۳)

"اور کافروں نے کہا کہ آپ پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے قرآن کو تدریجاً اتارا ہے) تاکہ ہم آپ کے دل کو مطمئن کردیں، اور ہم نے اس کو رفتہ رفتہ پڑھا ہے، اور وہ کوئی بات آپ کے پاس نہیں لائیں گے، مگر ہم آپ کے پاس حق لائیں گے، اور (اس کی) عمدہ تفسیر پیش کریں گے"

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائیں ہیں یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے اُن پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کردی گئی۔

(۲) اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً لازم ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعتِ محمدیؐ میں ملحوظ رہی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآن کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلے کو آسان بنا دیتا تھا، اور آپؐ کی تقویتِ قلب کا سبب بنتا تھا۔

(۴) قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے اس لئے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآن کریم کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی (تفسیر کبیر ۶/۳۳۶)

شانِ نزول

قرآن کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ازخود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اُن کے نزول کا سبب نہیں بنا، دوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے، یہ پس منظر مفسّرین کی اصطلاح میں "سببِ نزول" یا "شانِ نزول" کہلاتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ہے:-

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ

"مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور بلاشبہ ایک مؤمن کنیز ایک مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ تمہیں پسند ہو"

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی تھی، زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنویؓ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ حضرت مرثدؓ کسی کام سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انھیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثدؓ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمھارے درمیان حائل ہوچکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کرسکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لاکر حضرت مرثدؓ نے آپؐ سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کردی، (اسباب النزول للواحدیؒ، ص ۳۸)

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا "شانِ نزول" یا "سببِ نزول" ہے، قرآنِ کریم کی تفسیر میں "شانِ نزول" نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک اُن کا شانِ نزول معلوم نہ ہو۔

قرآنِ کریم کے سات حروف اور قراءتیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) کو ایک سہولت یہ عطا فرمائی ہے کہ اس کے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی شخص سے کوئی لفظ ایک طریقہ سے نہیں پڑھا جاتا تو اسے دوسرے طریقہ سے پڑھ سکتا ہے، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنوغفار کے تالاب کے پاس تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آگئے، اور انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھے، آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ سے اس کی معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں، میری اُمت میں اس کی طاقت نہیں ہے، پھر جبرئیل علیہ السلام دوبارہ آپؐ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ کی امت قرآن کریم کو دو حرفوں پر پڑھے، آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی بھی طاقت نہیں ہے، پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ کی اُمت قرآن کریم کو تین حرفوں پر پڑھے، آپؐ نے پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت چاہتا ہوں، میری اُمت میں اس کی بھی طاقت نہیں ہے، پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے کہ آپؐ کی اُمت قرآن کو سات حروف پر پڑھے پس وہ ان میں سے جس حرف پر پڑھیں گے اُن کی قراءت درست ہوگی، (بحوالۂ مناہل العرفان ۱/۱۳۳)

سات حروف سے مراد سات نوعیتیں ہیں چنانچہ ایک (حدیث) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ،

(صحیح بخاری مع القسطلانی ۷/۴۵۳)

"یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس ان میں سے جو تمھارے لئے آسان ہو اس طریقہ سے پڑھ لو"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں سات حروف سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں[1]، لیکن محقق علماء کے نزدیک اس میں راجح مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، اُن میں باہمی فرق و اختلاف کُل سات نوعیتوں پر مشتمل ہے، اور وہ سات نوعیتیں یہ ہیں:-

(۱) اسماء کا اختلاف: جس میں اِفراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے، مثلاً ایک قراءت میں تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ ہے اور دوسری قراءت میں تَمَّتْ كَلِمٰتُ رَبِّكَ۔

(۲) افعال کا اختلاف: کہ کسی قراءت میں صیغۂ ماضی ہے، کسی میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً ایک قراءت میں رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ہے اور دوسری میں رَبَّنَا بَعَّدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا۔

(۳) وجوہِ اعراب کا اختلاف: جس میں اعراب یا زیر زبر پیش کا فرق پایا جاتا ہے، مثلاً لَا يُضَارَّ كَاتِبٌ کی جگہ لَا يُضَارُّ كَاتِبٌ اور ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ کی جگہ ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدِ۔

(۴) الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قراءت میں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اور دوسری میں تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ۔

(۵) تقدیم و تاخیر کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم ہے اور دوسری میں مؤخر ہے، مثلاً وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ۔

(۶) بدلیت کا اختلاف: کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ مثلاً نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا، نیز فَتَبَيَّنُوْا اور فَتَثَبَّتُوْا، اور طَلْحٍ اور طَلْعٍ۔

(۷) لہجوں کا اختلاف: جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، مد، قصر، ہمز، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلافات داخل ہیں، یعنی اس میں لفظ تو نہیں بدلتا، لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ بدل جاتا ہے، مثلاً مُوْسٰى کو ایک قراءت میں مُوْسٰی کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

بہرحال! اختلافِ قراءت کی ان سات نوعیتوں کے تحت بہت سی قراءتیں نازل ہوئی تھیں

---

[1] ان اقوال کی تفصیل اور اس مسئلہ کی مبسوط تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیے "علوم القرآن" احقر کی مفصل کتاب ۱۲

اوران کے باہمی فرق سے معنی میں کوئی قابلِ ذکر فرق نہیں ہوتا تھا، صرف تلاوت کی سہولت کے لئے ان کی اجازت دی گئی تھی۔

شروع میں چونکہ لوگ قرآنِ کریم کے اسلوب کے پوری طرح عادی نہیں تھے، اس لئے اُن سات اقسام کے دائرے میں بہت سی قراءتوں کی اجازت دیدی گئی تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر سال رمضان میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دَور کیا کرتے تھے، جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپؐ نے دو مرتبہ دَور فرمایا، اس دَور کو "عرضۂ اخیرہ" کہتے ہیں، اس موقع پر بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں، اور صرف وہ قراءتیں باقی رکھی گئیں جو آج تک تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تلاوتِ قرآن کے معاملہ میں غلط فہمیاں رفع کرنے کے لئے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن کریم کے سات نسخے تیار کرائے، اور ان سات نسخوں میں تمام قراءتوں کو اس طرح سے جمع فرمایا، کہ قرآن کریم کی آیتوں پر نقطے اور زیر زبر پیش نہیں ڈالے، تاکہ انہی مذکورہ قراءتوں میں سے جس قراءت کے مطابق چاہیں پڑھ سکیں، اس طرح اکثر قراءتیں اس رسم الخط میں سما گئیں، اور جو قراءتیں رسم الخط میں نہ سما سکیں اُن کو محفوظ رکھنے کا طریقہ آپ نے یہ اختیار فرمایا کہ ایک نسخہ آپ نے ایک قراءت کے مطابق لکھا اور دوسرا دوسری قراءت کے مطابق، امت نے ان نسخوں میں جمع شدہ قراءتوں کو یاد رکھنے کا اس قدر اہتمام کیا کہ علمِ قراءت ایک مستقل علم بن گیا، اور سینکڑوں علماء، قرّاء اور حفّاظ نے اس کی حفاظت میں اپنی عمریں خرچ کر دیں۔

قراءت میں قبولیت کا معیار

دراصل ہوا یہ تھا کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے سات نسخے مختلف خطّوں میں بھیجے تو ان کے ساتھ ایسے قاریوں کو بھی بھیجا تھا جو انکی تلاوت سکھا سکیں، چنانچہ یہ قاری حضرات جب مختلف علاقوں میں پہنچے تو انہوں نے اپنی اپنی قراءتوں کے مطابق لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی، اور یہ مختلف قراءتیں لوگوں میں پھیل گئیں، اس موقع پر بعض حضرات نے ان مختلف قراءتوں کو یاد کرنے اور دوسروں کو سکھانے ہی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، اور اس طرح "علمِ قراءات" کی بنیاد پڑ گئی، اور ہر خطّے کے لوگ اس علم میں کمال حاصل کرنے کے لئے ائمۂ قراءت سے رجوع کرنے لگے، کسی نے صرف ایک قراءت یاد کی، کسی نے دو، کسی نے تین، کسی نے سات اور کسی نے اس سے بھی زیادہ، اس سلسلے میں ایک اصولی ضابطہ پوری امّت میں مسلم تھا، اور ہر جگہ اسی کے مطابق عمل ہوتا تھا، اور وہ یہ کہ صرف وہ "قراءت" قرآن ہونے کی حیثیت سے قبول کی جائے گی جس میں تینؔ شرائط پائی جاتی ہوں:-

(۱) مصاحفِ عثمانی کے رسم الخط میں اس کی گنجائش ہو۔

(۲) عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہو۔

(۳) وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو، اور ائمۂ قراءت میں مشہور ہو۔

جس قراءت میں ان میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو اسے قرآن کا جزء نہیں سمجھا جا سکتا، اس طرح متواتر قراءتوں کی ایک بڑی تعداد نسلاً بعد نسلٍ نقل ہوتی رہی، اور سہولت کے لئے ایسا بھی ہوا کہ ایک امام نے ایک یا چند قراءتوں کو اختیار کر کے انہی کی تعلیم دینی شروع کر دی، اور وہ قراءت اُس امام کے نام سے مشہور ہو گئی، پھر علماء نے ان قراءتوں کو جمع کرنے کے لئے کتابیں لکھنا شروع کیں، چنانچہ سب سے پہلے امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ، امام ابو حاتم سجستانیؒ، قاضی اسمٰعیلؒ اور امام ابو جعفر طبریؒ نے اس فن پر کتابیں مرتب کیں جن میں بیس سے زیادہ قراءتیں جمع تھیں، پھر علامہ ابوبکر ابن مجاہدؒ (متوفی ۳۲۴ھ) نے ایک کتاب لکھی، جس میں صرف سات قاریوں کی قراءتیں جمع کی گئی تھیں، اُن کی یہ تصنیف اس قدر مقبول ہوئی کہ یہ سات قرّاء کی قراءتیں دوسرے قرّاء کے مقابلہ میں بہت زیادہ مشہور ہو گئیں، بلکہ بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ صحیح اور متواتر قراءتیں صرف یہی ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ علامہ ابن مجاہدؒ نے محض اتفاقاً ان سات قراءتوں کو جمع کر دیا تھا، اُن کا منشاء یہ ہرگز نہیں تھا کہ ان کے سوا دوسری قراءتیں غلط یا ناقابلِ قبول ہیں، علامہ ابن مجاہدؒ کے اس عمل سے دوسری غلط فہمی یہ بھی پیدا ہوئی کہ بعض لوگ "سبعۂ احرف" کا مطلب یہ سمجھنے لگے کہ ان سے یہی سات قراءتیں مراد ہیں جنھیں ابن مجاہدؒ نے جمع کیا ہے، حالانکہ پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ یہ سات قراءتیں صحیح قراءتوں کا محض ایک حصّہ ہیں، ورنہ ہر وہ قراءت جو مذکورہ بالا تین شرائط پر پوری اُترتی ہو، صحیح قابلِ قبول اور ان سات حروف میں داخل ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔

سات قُرّاء

بہرحال! علامہ ابن مجاہدؒ کے اس عمل سے جو سات قاری سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں:-

(۱) نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیمؒ (متوفی ۱۶۹ھ) آپ نے ستر ایسے تابعین سے استفادہ کیا تھا جو براہِ راست حضرت اُبی بن کعبؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے، آپ کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ مشہور ہوئی اور آپ کے راویوں میں ابو موسیٰ قالونؒ (متوفی ۲۲۰ھ) اور ابو سعید ورشؒ (متوفی ۱۹۷ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) عبداللہ بن کثیر الداریؒ (متوفی ۱۲۰ھ) آپ نے صحابہؓ میں سے حضرت انس بن مالکؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور ابو ایوب انصاریؓ کی زیارت کی تھی، اور آپ کی قراءت مکہ مکرمہ میں زیادہ مشہور ہوئی، اور آپ کی قراءت کے راویوں میں بزّیؒ اور قنبلؒ زیادہ مشہور ہیں۔

(۳) ابو عمرو زبّان بن العلاءؒ (متوفی ۱۵۴ھ) آپ نے حضرت مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کے

واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ اور اُبی بن کعبؓ سے روایت کی ہے، اور آپ کی قراءت بصرہ میں کافی مشہور ہوئی، آپ کی قراءت کے راویوں میں ابو عمر الدوریؒ (متوفی ۲۴۶ھ) اور ابو شعیب سوسیؒ (متوفی ۲۶۱ھ) زیادہ مشہور ہیں،

(۴) عبد اللہ الیحصبیؒ، جو ابن عامرؒ کے نام سے معروف ہیں (متوفی ۱۱۸ھ) آپ نے صحابہؓ میں سے حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی زیارت کی تھی، اور قراءت کا فن حضرت مغیرہ بن شہاب مخزومیؒ سے حاصل کیا تھا جو حضرت عثمانؓ کے شاگرد تھے، آپ کی قراءت کا زیادہ رواج شام میں رہا، اور آپ کی قراءت کے راویوں میں ہشامؒ اور ذکوانؒ زیادہ مشہور ہیں۔

(۵) حمزة بن حبیب الزیّات مولیٰ عکرمہ بن ربیع التیمیؒ (متوفی ۱۸۸ھ) آپ سلیمان اعمشؒ کے شاگرد ہیں، وہ یحییٰ بن وثابؒ کے، وہ زرّ بن حبیشؒ کے اور انھوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے استفادہ کیا تھا، آپ کے راویوں میں خلف بن ہشام (متوفی ۱۸۸ھ) اور خلاد بن خالدؒ (متوفی ۲۲۰ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

(۶) عاصم بن ابی النجود الاسدیؒ (متوفی ۱۲۷ھ) آپ زرّ بن حبیشؒ کے واسطہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو عبد الرحمٰن سُلمیؒ کے واسطہ سے حضرت علیؓ کے شاگرد ہیں، آپ کی قراءت کے راویوں میں شعبہ بن عیاشؒ (متوفی ۱۹۳ھ) اور حفص بن سلیمانؒ (متوفی ۱۸۰ھ) زیادہ مشہور ہیں آجکل عموماً تلاوت انہی حفص بن سلیمانؒ کی روایت کے مطابق ہوتی ہے۔

(۷) ابو الحسن علی بن حمزة الکسائی النحویؒ (متوفی ۱۸۹ھ) ان کے راویوں میں ابو الحارث مروزیؒ (متوفی ۲۴۰ھ) اور ابو عمر الدوریؒ (جو ابو عمروؒ کے راوی بھی ہیں) زیادہ مشہور ہیں، مؤخر الذکر تینوں حضرات کی قراءتیں زیادہ تر کوفہ میں رائج ہوئیں۔

دسؔ اور چودہؔ قراءتیں

لیکن جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے ان سات کے علاوہ اور بھی کئی قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں، چنانچہ بعد میں جب یہ غلط فہمی پیدا ہونے لگی کہ صحیح قراءتیں ان سات ہی میں منحصر ہیں تو متعدد علماء (مثلاً علامہ شذائیؒ اور ابو بکر بن مہرانؒ) نے سات کے بجائے دس قراءتیں ایک کتاب میں جمع فرمائیں، چنانچہ "قراءات عشرہ" کی اصطلاح مشہور ہوگئی، ان دس قراءتوں میں مندرجہ بالا سات قرّاء کے علاوہ ان تین حضرات کی قراءتیں بھی شامل کی گئیں :-

(۱) ابو جعفر یزید بن القعقاعؒ (متوفی ۱۳۰ھ) جن کی قراءت مدینہ طیبہ میں زیادہ رائج ہوئی۔
(۲) یعقوب بن اسحٰق حضرمیؒ (متوفی ۲۰۵ھ) آپ کی قراءت زیادہ تر بصرہ میں مشہور ہوئی۔
(۳) خلف بن ہشامؒ (متوفی ۲۰۵ھ) جو حمزہؒ کی قراءت کے بھی راوی ہیں، آپ کی قراءت کوفہ میں زیادہ رائج تھی۔

اس کے علاوہ بعض حضرات نے چودہؔ قاریوں کی قراءتیں جمع کیں اور مذکورہ دس حضرات پر مندرجہ ذیل قرّاء کی قراءتوں کا اضافہ کیا :-

(۱) حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) جن کی قراءت کا مرکز بصرہ تھا۔
(۲) محمد بن عبد الرحمٰن ابن محیصنؒ (متوفی ۱۲۳ھ) جن کا مرکز مکہ مکرمہ میں تھا۔
(۳) یحییٰ بن مبارک یزیدیؒ (متوفی ۲۰۲ھ) جو بصرہ کے باشندے تھے۔
(۴) ابو الفرج شنبوذیؒ (متوفی ۳۸۸ھ) جو بغداد کے باشندے تھے۔

بعض حضرات نے چودہؔ قاریوں میں حضرت شنبوذیؒ کے بجائے حضرت سلیمان اعمشؒ کا نام شمار کیا ہے، ان میں سے پہلی دسؔ قراءتیں صحیح قول کے مطابق متواتر ہیں، اور ان کے علاوہ شاذ ہیں (مناہل العرفان بحوالہ منجد المقرئین لابن الجزریؒ)۔

تاریخ حفاظتِ قرآن

عہدِ رسالتؐ میں حفاظتِ قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لئے عہدِ رسالتؐ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اُسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کر لیا جائے چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپؐ اُس کے الفاظ کو اُسی وقت دُہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر سورۂ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کریم کو یاد رکھنے کے لئے آپؐ کو عین نزولِ وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپؐ میں ایسا حافظہ پیدا فرما دے گا کہ ایک مرتبہ نزولِ وحی کے بعد آپؐ اُسے بھول نہیں سکیں گے، چنانچہ یہی ہوا کہ اِدھر آپؐ پر آیاتِ قرآنی نازل ہوتیں اور اُدھر وہ آپؐ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیّر کا امکان نہیں تھا، پھر آپؐ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سُنایا کرتے تھے، اور جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس سال آپؐ نے دوؔ مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا۔ (صحیح بخاری مع فتح الباری، ص ۳۶ ج ۹)

پھر آپؐ صحابۂ کرامؓ کو قرآن کریم کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انھیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابۂ کرامؓ کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ

ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انھیں قرآن کریم کی تعلیم دیں گے، سینکڑوں صحابہؓ نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کردی تھی، وہ قرآن کریم کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دُہراتے رہتے تھے، حضرت عُبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپؐ اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرما دیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے، اور مسجدِ نبوی میں قرآن سیکھنے سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانا پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے (مناہل العرفان ۱/۲۳۴)

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابۂ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہوگئی جسے قرآن کریم از بر حفظ تھا، اس جماعت میں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں[1]۔

غرض ابتدائے اسلام میں زیادہ زور حفظِ قرآن پر دیا گیا، اور اس وقت کے حالات میں یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابلِ اعتماد تھا، اس لئے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو سکتی، اور نہ اُس کی قابلِ اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو حافظے کی ایسی قوت عطا فرما دی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں اُن کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لئے قرآن کریم کی حفاظت میں اسی قوتِ حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

کتابتِ وحی

قرآنِ کریم کو حفظ کرانے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کو سخت گرمی لگتی، اور آپؐ کے جسمِ اطہر پر پسینہ

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "علوم القرآن" احقر کی مفصل کتاب۔

کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر جب آپؐ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے، اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہرحال! جب میں فارغ ہوتا تو آپؐ فرماتے "پڑھو" میں پڑھ کر سُناتا، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے (مجمع الزوائد ۱/۱۵۶ بحوالہ طبرانی)

حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے جن میں خلفائے راشدینؓ، حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن الولیدؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ۹/۱۸ اور زاد المعاد ۱/۳۰)

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپؐ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے (فتح الباری ۹/۱۸) اُس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں (ایضاً ۹/۱۱)

اس طرح عہدِ رسالتؐ میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتّب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابۂ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے آیاتِ قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی عہد سے جاری تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی اُن کی بہن اور بہنوئی کے ایک صحیفہ میں آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں (سیرت ابن ہشام)

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابیؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بنا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم

کے ان منتشر حصّوں کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انھوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگِ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیجکر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ "عمرؓ نے ابھی آ کر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگِ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہو گئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصّہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں"، میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں۔

عمرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرحِ صدر ہو گیا اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمرؓ کی ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ "تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمھارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابتِ وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو لہٰذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انھیں جمع کرو"۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمعِ قرآن کے کام کا ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا، جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کریم کو جمع کیا (صحیح بخاریؒ، کتاب فضائل القرآن)

جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا طریقِ کار

اس موقع پر جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریقِ کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، وہ خود حافظِ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یاد داشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اُس وقت موجود تھے، اُن کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآن کریم لکھا جا سکتا تھا۔

نیز قرآن کریم کے جو نسخے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھ لئے گئے تھے حضرت زیدؓ ان سے بھی قرآنِ کریم نقل فرما سکتے تھے، لیکن انھوں نے احتیاط کے پیشِ نظر صرف کسی ایک طریقہ پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں

درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے انھیں یک جا فرمایا تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلانِ عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآن کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجۂ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:۔

(۱) سب سے پہلے اپنی یاد داشت سے اس کی توثیق کرتے۔

(۲) پھر حضرت عمرؓ بھی حافظِ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا اور جب کوئی شخص کوئی آیت لیکر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے (فتح الباری ۹/۱۱ بحوالہ ابن ابی داؤد)۔

(۳) کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابلِ اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دیدی ہو کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ (اتقان ۱/۶۰)

(۴) اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا اُن مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے (البرہان فی علوم القرآن للزرکشیؒ ۱/۲۳۸)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمع قرآن کا یہ طریقِ کار ذہن میں رہے تو حضرت زید بن ثابتؓ کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ سُورۂ براءۃ کی آخری آیات لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ مجھے صرف حضرت ابو خزیمہؓ کے پاس ملیں، ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملیں"۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیتیں سوائے حضرت ابو خزیمہؓ کے کسی اور کو یاد نہیں تھیں، یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں، اور اُن کے سوا کسی کو ان کا جزءِ قرآن ہونا معلوم نہ تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی متفرق آیتیں لے لے کر آ رہے تھے اُن میں سے یہ آیتیں سوائے حضرت ابو خزیمہؓ کے کسی کے پاس نہیں ملیں، ورنہ جہاں تک ان آیات کے جزءِ قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی، کیونکہ سینکڑوں صحابہؓ کو یاد بھی تھی، اور جن حضرات کے پاس آیاتِ قرآنی کے مکمل مجموعے تھے اُن کے پاس لکھی ہوئی بھی تھیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابو خزیمہؓ کے پاس ملیں، کسی اور

کے پاس نہیں (البرہان ۱/ ۲۳۴ و ۲۳۵)

اُمّ کی خصوصیات

بہرکیف! حضرت زید بن ثابتؓ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیاتِ قرآنی کو جمع کرکے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا (اتقان ۱/ ۶۰) لیکن ہر سُورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو "اُمّ" کہا جاتا ہے، اور اس کی خصوصیات یہ تھیں :-

(۱) اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتّب تھیں، لیکن سورتیں مرتّب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی (اتقان، حوالۂ بالا)

(۲) اس نسخہ میں قرآن کے ساتوں حروف (جن کی تشریح پیچھے آچکی ہے) جمع تھے (مناہل العرفان ۱/ ۲۴۶، و تاریخ القرآن للکردیؒ، ص ۲۸)

(۳) اس میں وہ تمام آیتیں جمع کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

(۴) اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتّب نسخہ تمام اُمّت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہو جائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

حضرت ابوبکرؓ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انھیں امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کردیا گیا، پھر حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد مروان بن الحکمؒ نے اسے اس خیال سے نذرِ آتش کردیا کہ اس وقت حضرت عثمانؓ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف تیار ہو چکے تھے، اور اس بات پر اُمّت کا اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ان مصاحف کی پیروی لازم ہے، مروان بن الحکم نے سوچا کہ اب کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہنا چاہئے جو اس رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔ (فتح الباری ۹/ ۱۶)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدینِ اسلام یا اُن تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جنکی بدولت انھیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، اُدھر آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا، اور مختلف صحابۂ کرامؓ نے اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا، جس کے مطابق خود انھوں نے حضورؐ سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اُس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی

پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات اُن میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآنِ کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ طیّبہ میں موجود تھا، پورے عالمِ اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابلِ اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں، جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انھیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کونسی قراءت صحیح اور کونسی غلط ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس کارنامے کی تفصیل روایاتِ حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ آرمینیا اور آذربیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، چنانچہ مدینہ طیّبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہونچے، اور جاکر عرض کیا کہ امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ اُمّت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات کی شکار ہو، آپ اس کا علاج کیجئے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے جواب میں کہا کہ میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ اُبَی بن کعبؓ کی قراءت پڑھتے ہیں، جو اہلِ عراق نے نہیں سُنی ہوتی، اور اہلِ عراق عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پڑھتے ہیں جو اہلِ شام نے نہیں سنی ہوتی، اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے، انھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیّبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلّم نے اپنے شاگردوں کو ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا، اور دوسرے معلّم نے دوسری قراءت کے مطابق، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا، اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا، اور وہ بھی ایک دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دیتے، جب حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمانؓ نے جلیل القدر صحابہؓ کو جمع کرکے ان سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ: "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں

کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے، اور یہ بات کفر کی حد تک پہونچ سکتی ہے، لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ صحابہؓ نے خود حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ "آپ نے کیا سوچا ہے؟" حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مُصحف پر جمع کردیں تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے،" صحابہؓ نے اس رائے کو پسند کرکے حضرت عثمانؓ کی تائید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ مدینہ طیبہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دُور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے، لہٰذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو،

اس غرض کے لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اُن کو مصاحف میں نقل کرکے آپ کو واپس کردیں گے، حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی، جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کرکے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں، ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زیدؓ انصاری تھے، اور باقی تینوں حضرات قریشی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ "جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔"

بنیادی طور پر تو یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگا دیا گیا،[1] ان حضرات نے کتابتِ قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:-

(۱) حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سُورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا (مستدرک ۲/۲۲۹)

(۲) قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں

[1] یہ پوری تفصیل اور اس سلسلے کی تمام روایات فتح الباری ص ۱۳ تا ۱۵ ج ۹ سے ماخوذ ہیں۔

سما جائیں، اسی لئے اُن پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر زبر پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، مثلاً ںںسرها لکھا تاکہ اسے نَنْشُرُهَا اور نُنْشِزُهَا دونوں طرح پڑھا جا سکے کیونکہ یہ دونوں قراءتیں درست ہیں (مناہل العرفان ۱/۲۵۳ و ۲۵۴)

(۳) اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے تیار کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانی رحؒ کا ارشاد ہے کہ کُل سات نسخے تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا (فتح الباری ۹/۱۷)

(۴) مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں انھیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ ازسرِنو مقابلہ کرکے یہ نسخے تیار کئے گئے، اس مرتبہ سورۂ احزاب کی ایک آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی، پیچھے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور شخص کو یاد نہیں تھی، کیونکہ حضرت زیدؓ خود فرماتے ہیں کہ: "مصحف لکھتے وقت سورۂ احزاب کی وہ آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سُنا کرتا تھا" اس سے صاف واضح ہے کہ یہ آیت حضرت زیدؓ اور دوسرے صحابہؓ کو اچھی طرح یاد تھی، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو صحیفے لکھے گئے ظاہر ہے کہ یہ آیت اُن میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہؓ کے پاس قرآن کریم کے جو انفرادی طور پر لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان میں یہ آیت بھی شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کی طرح اس مرتبہ بھی اُن تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابۂ کرامؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں اس لئے حضرت زیدؓ وغیرہ نے کوئی آیت ان مصاحف میں اُس وقت تک نہیں لکھی جب تک اُن تحریروں میں بھی وہ نہ مل گئی، اس طرح دوسری آیتیں تو متعدد صحابہؓ کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت سوائے حضرت خزیمہؓ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہیں ہوئی۔

(۵) قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ

تمام انفرادی نسخے نذرِ آتش فرما دیئے جو مختلف صحابہؓ کے پاس موجود تھے تاکہ رسم الخط، مسلّمہ قراءتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں، اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے کو پوری امت نے بہ نظرِ استحسان دیکھا، اور تمام صحابہؓ نے اس کام میں اُن کی تائید اور حمایت فرمائی، صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس معاملہ میں کچھ رنجش رہی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں[1]، حضرت علیؓ فرماتے ہیں:۔

"عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات اُن کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم! انھوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں مشورے سے کیا" (فتح الباری ۹/۱۵)

تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے اقدامات

حضرت عثمانؓ کے مذکورہ بالا کارنامے کے بعد اُمّت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ قرآن کریم کو رسمِ عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں چنانچہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقے کے مطابق لکھے گئے، اور صحابہؓ وتابعینؒ نے مصاحفِ عثمانی کی نقول تیار کر کر کے قرآنِ کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

لیکن ابھی تک قرآنِ کریم کے نسخے چونکہ نقطوں اور زیر، زبر، پیش سے خالی تھے، اس لئے اہلِ عجم کو ان کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، چنانچہ جب اِسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کر سکیں، اس مقصد کے لئے مختلف اقدامات کئے گئے، جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

نقطے

اہلِ عرب میں ابتداءً حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا، اور پڑھنے والے اس طرز کے اتنے عادی تھے کہ انھیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، اور سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بہ آسانی ہو جاتا تھا، خاص طور سے قرآن کریم کے معاملے میں کسی اشتباہ کا امکان اس لئے نہیں تھا کہ اس کی حفاظت کا مدار کتابت پر نہیں، بلکہ حافظوں پر تھا، اور حضرت عثمانؓ نے جو نسخے عالمِ اسلام کے مختلف حصّوں میں بھیجے تھے ان کے ساتھ قاری بھی بھیجے گئے تھے، جو اسے پڑھنا سکھا سکیں۔

اس میں روایات مختلف ہیں، کہ قرآن کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے حضرت ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا (البرہان ۱/۲۵۰) بعض کا کہنا ہے کہ انھوں نے یہ کام حضرت علیؓ کی تلقین کے تحت کیا (صبح الاعشیٰ ۳/۱۵۵) اور بعض نے کہا ہے کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے ان سے یہ کام کرایا، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ

[1] اس کی تفصیل کے لئے احقر کی مفصّل کتاب "علوم القرآن" ملاحظہ فرمائیے۔

حجاج بن یوسف نے حسن بصریؒ، یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ کے ذریعہ انجام دیا (تفسیر القرطبیؒ ۱/۶۳)

حرکات

نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زیر، زبر، پیش) بھی نہیں تھیں، اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ سے کرایا (قرطبیؒ ۱/۶۳)

اس سلسلے میں تمام روایات کو پیشِ نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے وضع کیں، لیکن یہ حرکات اُس طرح کی نہ تھیں جیسی آجکل رائج ہیں، بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر ایک نقطہ (ـٔ) زیر کے لئے حرف کے نیچے ایک نقطہ (ـِ) اور پیش کیلئے حرف کے سامنے ایک نقطہ (ـ۔) اور تنوین کے لئے دو نقطے (ـٌ یا ـٍ یا ـ؛) مقرر کئے گئے۔ بعد میں خلیل بن احمدؒ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں (صبح الاعشیٰ ۳/۱۶۰ و ۱۶۱)۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ، نصر بن عاصم لیثیؒ اور حسن بصریؒ رحمہم اللہ سے بیک وقت قرآن کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی فرمائش کی، اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لئے نقطوں کے بجائے زیر، زبر، پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کی گئیں، تاکہ حروف کے ذاتی نقطوں سے اُن کا التباس پیش نہ آئے، واللہ سبحانہ اعلم۔

احزاب یا منزلیں

صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انھوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرّر کی ہوئی تھی جسے "حزب" یا "منزل" کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا (البرہان ۱/۲۵۰)

اجزاء یا پارے

آجکل قرآن کریم تیس اجزاء پر منقسم ہے، جنھیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصّوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے، یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انھیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانہ کی ہے، لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علّامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس پارے مشہور چلے آتے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں اُن کا رواج ہے (البرہان ۱/۲۵۰ ومناہل العرفان ۱/۴۰۲) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

اخماس اور اعشار

قرونِ اُولیٰ کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا، اور وہ یہ کہ ہر پانچ آیتوں کے بعد (حاشیہ پر) لفظ "خمس" یا "خ" اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ "عشر" یا "ع" لکھدیتے تھے، پہلی قسم کی علامتوں کو "اخماس" اور دوسری قسم کی علامتوں کو "اعشار" کہاجاتا تھا (مناهل العرفان ۱/۴۰۳) علماء متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض حضرات ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے تھے، یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا (البرہان ۱/۲۵۱) لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتے کہ خود صحابہؓ کے زمانے میں "اعشار" کا تصور ملتا ہے، چنانچہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصحف میں "اعشار" کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہؒ ۲/۴۹۷)

رکوع

"اخماس" اور "اعشار" کی علامتیں تو بعد میں متروک ہوگئیں، لیکن ایک اور علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین قرآن کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ع) بنادی گئی، احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دَور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریبًا یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو "رکوع" اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہونچ کر رکوع کیا جائے، پورے قرآن میں ۵۴۰ رکوع ہیں، اس طرح اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں شب میں قرآن کریم ختم ہوسکتا ہے (فتاویٰ عالمگیریہ فصل التراویح ۱/۹۴)

رموزِ اوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارے لکھدیئے گئے جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو "رموزِ اوقاف" کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کرسکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، ان میں سے اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابو عبداللہ محمد

ع فتاویٰ عالمگیریہ میں مشائخ بخاریٰ کے حوالے سے رکوعات کی تعداد ۵۴۰ ہی بیان کی گئی ہے، لیکن جب ہم نے قرآن کریم کے مروجہ نسخوں میں خود گنتی کی تو رکوعات کی تعداد ۵۵۸ پائی۔ اور بعض اصحاب نے ہمیں خط میں لکھا کہ انکی گنتی کے مطابق رکوعات کی کل تعداد ۵۶۷ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ رکوع کی علامت لگانے میں بھی مختلف نسخوں میں کچھ اختلاف رہا ہو۔ واللہ اعلم
از ناشر
۱۲/۱۶ ۱۴۱۳ھ

بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے (النشر فی القرآات العشر ۱/۲۲۵) ان رموز کی تفصیل یہ ہے:

ط : یہ "وقفِ مطلق" کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج : یہ "وقفِ جائز" کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز : یہ "وقفِ مجوّز" کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص : یہ "وقفِ مرخّص" کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہوگیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے (المنح الفکریۃ، ص ۶۳)۔

م : یہ "وقفِ لازم" کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے وقفِ واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے (النشر ۱/۲۳۱)

لا : یہ "لَا تَقِفْ" کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ "یہاں نہ ٹھہرو" لیکن اس کا منشاء یہ نہیں کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتداء کرنا مستحسن نہیں (النشر، ص ۲۳۳ ج ۱) [1]

ان رموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندیؒ کے وضع کئے ہوئے ہیں ان کے علاوہ بھی بعض رموز قرآن کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:-

مع : یہ "معانقہ" کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے، جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں، مثلاً ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ∴ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ∴ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ الخ اس میں اگر التَّوْرٰىةِ پر وقف کرلیا تو اَلْاِنْجِيْل پر وقف درست نہیں، اور اگر اَلْاِنْجِيْل پر وقف کرنا ہے تو اَلتَّوْرٰىة پر وقف درست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے، اس کا ایک نام "مقابلہ" بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشان دہی

[1] ○ گول دائرہ یہ علامتِ آیت ہے۔ ناشر

امام ابوالفضل رازیؒ نے فرمائی ہے (النشر، ص ۲۳۷ ج ۱ والاتقان ص ۸۸، ج ۱)

سکتہ: یہ "سکتہ" کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رُکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ: اس جگہ "سکتہ" سے قدرے زیادہ دیر تک رُکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق: یہ "قِيْلَ عَلَيْهِ الْوَقْفُ" کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف: یہ لفظ "قِفْ" ہے جس کے معنی ہیں "ٹھہر جاؤ" اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے: یہ "اَلْوَصْلُ اَوْلٰى" کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں کہ "ملا کر پڑھنا بہتر ہے"۔

صل: یہ "قَدْ یُوْصَلُ" کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یہ اُن مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔

قرآن کریم کی طباعت

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے، اور ہر دَور میں ایسے کاتبوں کی ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جس کا کتابتِ قرآن کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا، قرآنِ کریم کے حروف کو بہتر سے بہتر انداز میں لکھنے کے لئے مسلمانوں نے جو محنتیں کیں اور جس طرح اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے والہانہ شغف کا اظہار کیا، اس کی ایک بڑی مفصل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کے لئے مستقل تصنیف چاہئے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہیمبرگ کے مقام پر ۱۱۱۳ھ میں قرآن کریم طبع ہوا جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے، اس کے بعد متعدد مستشرقین نے قرآن کریم کے نسخے طبع کرائے، لیکن اسلامی دنیا میں ان کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی، اس کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے مولائے عثمان نے رُوس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۷۸۷ء میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا، اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا، ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآن کریم کو پتھر پر طبع کیا گیا، پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہو گئے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ القرآن للکردیؒ ص ۱۸۶ اور علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح اردو ترجمہ از غلام احمد حریری ص ۱۴۲)

عِلمِ تفسیر

اب کچھ ضروری معلومات علمِ تفسیر کے سلسلے میں پیشِ خدمت ہیں، عربی زبان میں "تفسیر" کے لفظی معنی ہیں "کھولنا" اور اصطلاح میں علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کئے جائیں، اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے (البرہان) قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (۱۶: ۴۴)

"اور ہم نے قرآن آپؐ پر اُتارا تاکہ آپؐ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرما دیں جو اُن کی طرف اُتاری گئیں ہیں"

نیز قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (۳: ۱۶۴)

"بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ اُن کے درمیان انہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا، جو اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور انھیں پاک صاف کرے، اور انھیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے، بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے، جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما تھے اُس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، صحابۂ کرامؓ کو جہاں کوئی دشواری پیش آتی وہ آپؐ سے رجوع کرتے اور انھیں تسلی بخش جواب مل جاتا، لیکن آپؐ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیرِ قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا، تاکہ اُمت کے لئے قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہو جائیں، اور ملحد و گمراہ لوگوں کے لئے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس اُمت نے یہ کارنامہ اس حُسن و خوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں ہیں بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر و تشریح بھی محفوظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

تفسیرِ قرآن کے مآخذ علمِ تفسیر کو اس اُمت نے کس کس طرح محفوظ کیا؟ اس راہ میں انہوں نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائیں؟ اور یہ جدّوجہد کتنے مراحل سے گذری؟ اس کی ایک طویل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کا یہاں موقع نہیں[1]، لیکن یہاں مختصراً یہ بتانا ہے کہ تفسیرِ قرآن کے مآخذ کیا کیا ہیں؟ اور علمِ تفسیر پر جو بے شمار کتابیں ہر زبان میں ملتی ہیں انہوں نے قرآن کریم کی تشریح میں کن سرچشموں سے استفادہ کیا ہے، یہ سرچشمے کُل چھ ہیں:

۱۔ قرآن کریم

علمِ تفسیر کا پہلا مآخذ خود قرآن کریم ہے، چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآنِ کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ کی دُعا میں یہ جملہ موجود ہے کہ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" یعنی ہمیں اُن لوگوں کے راستہ کی ہدایت کیجئے جن پر آپ کا انعام ہوا"، اب یہاں یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، لیکن ایک دوسری آیت میں ان کو واضح طور سے متعین کر دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج۔ (۴: ۶۹)

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالح لوگ"۔

چنانچہ مفسرینِ کرامؒ جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر خود قرآن کریم ہی میں کسی اور جگہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسی کو اختیار فرماتے ہیں۔

۲۔ حدیث

"حدیث" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو کہتے ہیں، اور جیساکہ پیچھے بیان کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ساتھ آپؐ کو مبعوث ہی اس لئے فرمایا تھا کہ آپؐ لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی صحیح تشریح کھول کھول کر بیان فرمادیں، چنانچہ آپؐ نے اپنے قول اور عمل دونوں سے یہ فریضہ بحُسن و خوبی انجام دیا، اور درحقیقت آپؐ کی پوری مبارک زندگی قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے، اس لئے مفسرینِ کرامؒ نے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ زور حدیث پر دیا ہے، اور احادیث کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنی متعین کئے ہیں، البتہ چونکہ حدیث میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں، اس لئے محقق مفسرین اس وقت تک کسی روایت کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقیدِ روایات کے اصولوں پر پوری نہ اُترتی ہو، لہٰذا جو روایت جہاں نظر آجائے اُسے دیکھ کر قرآن کریم

[1] اس کیلئے علوم القرآن پر احقر کی مفصّل کتاب ملاحظہ فرمائیے۔

کی کوئی تفسیر متعین کر لینا درست نہیں، کیونکہ وہ روایت ضعیف اور دوسری مضبوط روایتوں کے خلاف بھی ہوسکتی ہے، درحقیقت یہ معاملہ بڑا نازک ہے، اور اس میں قدم رکھنا انہی لوگوں کا کام ہے جنھوں نے اپنی عمریں ان علوم کو حاصل کرنے میں خرچ کی ہیں۔

۳۔ صحابہؓ کے اقوال

صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کی تعلیم براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی، اس کے علاوہ نزولِ وحی کے وقت وہ بہ نفسِ نفیس موجود تھے، اور انھوں نے نزولِ قرآن کے پورے ماحول اور پس منظر کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تھا، اس لئے فطری طور پر قرآن کریم کی تفسیر میں ان حضرات کے اقوال جتنے مستند اور قابلِ اعتماد ہوسکتے ہیں، بعد کے لوگوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا جن آیتوں کی تفسیر قرآن یا حدیث سے معلوم نہیں ہوتی ان میں سب سے زیادہ اہمیت صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حاصل ہے، چنانچہ اگر کسی آیت کی تفسیر پر صحابہؓ کا اتفاق ہو تو مفسرینِ کرام اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی اور تفسیر بیان کرنا جائز نہیں، ہاں! اگر کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے اقوال مختلف ہوں تو بعد کے مفسرین دوسرے دلائل کی روشنی میں یہ دیکھتے ہیں کہ کونسی تفسیر کو ترجیح دی جائے؟ اس معاملہ میں اہم اصول اور قواعد اصولِ فقہ، اصولِ حدیث اور اصولِ تفسیر میں مدوّن ہیں، ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

۴۔ تابعینؒ کے اقوال

صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کا نمبر آتا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے قرآن کریم کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے سیکھی ہے، اس لئے اُن کے اقوال بھی علمِ تفسیر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اگرچہ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تابعینؒ کے اقوال تفسیر میں حجت ہیں یا نہیں؟ (الاتقان ۲/۱۷۹) لیکن ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ لُغتِ عرب

قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لئے تفسیرِ قرآن کے لئے اس زبان پر مکمّل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پسِ منظر میں چونکہ کوئی شانِ نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا، اس لئے اُن کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چنانچہ اُن کی تفسیر کا ذریعہ صرف لُغتِ عرب ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لئے بھی علمِ لغت سے کام لیا جاتا ہے۔

۶۔ تدبّر اور استنباط

تفسیر کا آخری مآخذ "تدبّر اور استنباط" ہے، قرآن کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحر

ناپیدا کنار ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اُتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبّر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں، لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابلِ قبول ہوتے ہیں جبکہ وہ مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسا نکتہ یا اجتہاد بیان کرے جو قرآن و سنت، اجماع، لغت یا صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال کے خلاف ہو یا کسی دوسرے شرعی اصول سے ٹکراتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، بعض صوفیاءؒ نے تفسیر میں اس قسم کے اسرار و نکات بیان کرنے شروع کئے تھے، لیکن اُمّت کے محقق علماء نے انھیں قابلِ اعتبار نہیں سمجھا، کیونکہ قرآن و سنت اور شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی کی شخصی رائے ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی (اتقان ۲/۱۸۴)

اسرائیلیات کا حکم

"اسرائیلیات" اُن روایتوں کو کہتے ہیں جو اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، پہلے زمانے کے مفسرینؒ کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انھیں سند کے ساتھ پہنچی تھیں، ان میں بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں، اس لئے اُن کی حقیقت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے، ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ پہلے اہلِ کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انھیں قرآن کریم میں پچھلی اُمتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انھوں نے اپنے سابقہ مذہب کی کتابوں میں بھی پڑھے تھے، چنانچہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے جو انھوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں، یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئی ہیں، حافظ ابن کثیرؒ نے جو بڑے محقق مفسرین میں سے ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ روایات جن کی سچائی قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ۔

(۲) وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن و سنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے، اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے، ارشاد ہے کہ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا (۲:۱۰۲) (اور سلیمانؑ کافر نہیں ہوئے، بلکہ شیاطین نے کفر کیا) اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی سے زنا کیا، یا اُسے مختلف تدبیروں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کرلیا، یہ بھی کھلا جھوٹ ہے اور اس قسم کی روایتوں کو غلط سمجھنا لازم ہے۔

(۳) وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسے کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ اُن کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، البتہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن کثیرؒ نے قولِ فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انھیں نقل کرنا جائز تو ہے، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہے (مقدمہ تفسیر ابن کثیر)

تفسیرِ قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسرِ قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو و صرف اور بلاغت و ادب کے علاوہ علمِ حدیث، اصولِ فقہ و تفسیر اور عقائد و کلام کا وسیع و عمیق علم رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآن کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہونچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیرِ قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شُدبُد رکھنے والے لوگ جنھیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرینؒ کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کرکے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرینؒ پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لیجاتا ہے، دنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کرلے تو دنیا کا کوئی صاحبِ عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم و تربیت حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کرکے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لئے ماہر اساتذہ کے زیرِ تربیت رہ کر

ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے، جب ڈاکٹر اور انجینیر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن و حدیث کے معاملہ میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کیسے کافی ہوسکتا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم و فن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنھیں پورا کئے بغیر اس علم و فن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن و سنّت اتنے لاوارث کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے کسی علم و فن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:-

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (۵۴: ۱۷)

"اور بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے
آسان کردیا ہے"

اور جب قرآن کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم و فن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت و موعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائداری، جنّت و دوزخ کے حالات، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہو وہ انھیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّكْرِ (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کررہا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام و قوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کماحقہٗ سمجھنا اور ان سے احکام و مسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لئے انھیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدّتیں صرف کرتے تھے، علّامہ سیوطیؒ نے امام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ انھوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ:-

فتعلّمنا القراٰن والعلم والعمل جميعًا

"ہم نے قرآن اور علم و عمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے" (اتقان ۱۷۶/۲)

چنانچہ مؤطأ امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسندِ احمدؒ میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نگاہوں میں اُس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا تھا (اتقان ۱۷۶/۲ نوع ۷۷)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر و ادب میں مہارت تامّہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہوجایا کرتے تھے، انھیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدّت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہوجائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ جب صحابۂ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود "عالمِ قرآن" بننے کے لئے باقاعدہ حضورؐ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو نزولِ قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شُدبُد پیدا کرکے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسّرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم و دین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے! ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ:-

من قال فی القراٰن بغير علم فليتبوّأ مقعده فی النار

"جو شخص قرآن کے معاملہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"
(ابوداؤدؒ، از اتقان ۱۷۹/۲)

اور:- من تكلّم فی القراٰن برأيه فأصاب فقد أخطأ

"جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہدے تب بھی اس نے غلطی کی" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، از اتقان ۱۷۹/۲)

مشہور تفسیریں

عہدِ رسالتؐ کے بعد سے قرآن کریم کی بے شمار تفسیریں لکھی گئی ہیں، بلکہ دنیا کی کسی کتاب کی بھی اتنی خدمت نہیں کی گئی، جتنی قرآن کریم کی کی گئی ہے، ان سب تفاسیر کا تعارف کسی مفصّل کتاب میں بھی ممکن نہیں، چہ جائیکہ اس مختصر مقدمہ میں اس کا ارادہ کیا جائے، لیکن یہاں ہم اُن اہم تفسیروں کا

مختصر تعارف کرانا چاہتے ہیں جو معارف القرآن کا خاص مأخذ رہی ہیں، اور جن کا حوالہ معارف القرآن میں بار بار آیا ہے، اگرچہ معارف القرآن کی تصنیف کے دوران بہت سی تفاسیر اور سینکڑوں کتابیں پیش نظر رہی ہیں، لیکن یہاں صرف اُن تفاسیر کا تذکرہ مقصود ہے جن کے حوالے بکثرت آئیں گے۔

تفسیر ابن جریر اس تفسیر کا اصل نام "جامع البیان" ہے، اور یہ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ (متوفی سنہ ۳۱۰ھ) کی تالیف ہے، علامہ طبریؒ اونچے درجے کے مفسر، محدث اور مؤرخ ہیں منقول ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل لکھنے میں مشغول رہے، اور ہر روز چالیس ورق لکھنے کا معمول تھا (البدایہ والنہایہ، ص ۱۴۵ ج ۱۱) بعض حضرات نے ان پر شیعہ ہونے کا الزام عائد کیا ہے، لیکن محققین نے اس الزام کی تردید کی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اہلِ سنت کے جلیل القدر عالم ہیں، بلکہ ان کا شمار ائمۂ مجتہدین میں ہوتا ہے۔

ان کی تفسیر تیس جلدوں میں ہے، اور بعد کی تفاسیر کے لئے بنیادی مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے، وہ آیات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں، اور پھر جو قول اُن کے نزدیک راجح ہوتا ہے اسے دلائل کے ذریعہ ثابت کرتے ہیں، البتہ ان کی تفسیر میں صحیح و سقیم ہر طرح کی روایات جمع ہوگئی ہیں، اس لئے اُن کی بیان کی ہوئی ہر روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دراصل اس تفسیر سے ان کا مقصد یہ تھا کہ تفسیرِ قرآن کے بارے میں جس قدر روایات انھیں دستیاب ہوسکیں اُن سب کو جمع کردیا جائے، تاکہ اس جمع شدہ مواد سے کام لیا جاسکے، البتہ انھوں نے ہر روایت کے ساتھ اس کی سند بھی ذکر کی ہے، تاکہ جو شخص چاہے راویوں کی تحقیق کرکے روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرسکے۔

تفسیر ابن کثیر یہ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر دمشقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی سنہ ۷۷۴ھ) کی تصنیف ہے، جو آٹھویں صدی کے ممتاز اور محقق علماء میں سے ہیں، اُن کی تفسیر چار جلدوں میں شائع ہوچکی ہے، اس میں زیادہ زور تفسیری روایات پر دیا گیا ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ مصنفؒ روایتوں پر محدثانہ تنقید بھی کرتے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ کتاب تمام کتبِ تفسیر میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔

تفسیر القرطبی اس کا پورا نام "الجامع لاحکام القرآن" ہے، اندلس کے مشہور اور محقق عالم علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح القرطبیؒ (متوفی سنہ ۶۷۱ھ) کی تصنیف ہے، جو فقہ میں امام مالکؒ کے مسلک کے پیرو تھے، اور عبادت و زہد کے اعتبار سے شہرۂ آفاق تھے، اصل میں اس کتاب کا بنیادی موضوع تو قرآن کریم سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط تھا، لیکن اس ضمن میں انھوں نے آیتوں کی تشریح، مشکل الفاظ کی تحقیق، اعراب و بلاغت اور متعلقہ روایات کو بھی تفسیر میں خوب جمع کیا ہے، یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے، اور بار بار شائع ہوچکی ہے۔

تفسیر کبیر یہ امام فخر الدین رازیؒ (متوفی سنہ ۶۰۶ھ) کی تصنیف ہے، اور اس کا اصلی نام "مفاتیح الغیب" ہے، لیکن "تفسیر کبیر" کے نام سے مشہور ہے، امام رازیؒ متکلمینِ اسلام کے امام ہیں، اس لئے ان کی تفسیر میں عقلی اور کلامی مباحث اور باطل فرقوں کی تردید پر بہت زور دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حلِ قرآن کے لحاظ سے بھی یہ تفسیر اپنی نظیر آپ ہے، اور اس میں جس دلنشین انداز میں قرآن کریم کے معانی کی توضیح اور آیاتِ قرآنی کے باہمی ربط کی تشریح کی گئی ہے، وہ بڑا قابلِ قدر ہے، اغلب یہ ہے کہ امام رازیؒ نے سورۂ فتح تک کی تفسیر خود لکھی ہے، اس کے بعد وہ اسے پورا نہ کرسکے، چنانچہ سورۂ فتح سے آخر تک کا حصہ قاضی شہاب الدین بن خلیل الخولی الدمشقیؒ (متوفی سنہ ۶۳۹ھ) یا شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولیؒ (متوفی سنہ ۷۲۷ھ) نے مکمل فرمایا (کشف الظنون ۲/۴۷۷)

امام رازیؒ نے اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق چونکہ کلامی بحث اور باطل فرقوں کی تردید پر خاص زور دیا ہے، اور اس ضمن میں ان کی بحثیں بہت سے مقامات پر انتہائی طویل ہوگئی ہیں، اس لئے بعض حضرات نے اُن کی تفسیر پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ فِيهِ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا التَّفْسِيرُ (اس کتاب میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے) لیکن یہ تبصرہ تفسیر کبیر پر بڑا ظلم ہے، اور حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی، کہ حلِ قرآن کے لحاظ سے بھی اس تفسیر کا پایہ بہت بلند ہے، البتہ چند ایک مقامات پر انھوں نے جمہورِ امت کی راہ سے ہٹ کر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی ہے، لیکن ایسے مقامات آٹھ ضخیم جلدوں کی اس کتاب میں خال خال ہیں۔

تفسیر البحر المحیط یہ علامہ ابوحیان غرناطی اندلسیؒ (متوفی سنہ ۷۵۴ھ) کی تصنیف ہے، جو اسلامی علوم کے علاوہ علمِ نحو و بلاغت میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تفسیر میں نحو و بلاغت کا رنگ نمایاں ہے، وہ ہر آیت کے الفاظ کی تحقیق، ترکیبوں کے اختلاف اور بلاغت کے نکات بیان کرنے پر خاص زور دیتے ہیں۔

احکام القرآن للجصاصؒ یہ امام ابوبکر جصاص رازیؒ (متوفی سنہ ۳۷۰ھ) کی تصنیف ہے، جو فقہائے حنفیہ میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں، ان کی اس کتاب کا موضوع قرآن کریم سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط ہے، اور انھوں نے مسلسل آیتوں کی تفسیر کے بجائے صرف اُن آیتوں کی فقہی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جو فقہی احکام پر مشتمل ہیں، اس موضوع پر اور بھی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس کتاب کو ان سب میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

تفسیر الدر المنثور یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (متوفی سنہ ۹۱۱ھ) کی تصنیف ہے، اور اس کا پورا نام "الدر المنثور فی التفسیر بالماثور" ہے، اس میں علامہ سیوطیؒ نے ان تمام روایات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو قرآنِ کریم کی تفسیر سے متعلق ان کو ملی ہیں، ان سے پہلے بہت سے محدثین مثلاً حافظ ابن جریرؒ، امام بغویؒ، ابن مردویہؒ، ابن حبانؒ اور ابن ماجہؒ وغیرہ اپنے اپنے طور پر یہ کام کرچکے تھے

علامہ سیوطیؒ نے ان سب کی بیان کردہ روایات کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، البتہ انھوں نے روایات کیساتھ انکی پوری سند ذکر کرنے کے بجائے صرف اس مصنف کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے جس نے اس روایت کو اپنی سند سے بیان کیا ہے، تاکہ بوقتِ ضرورت اس کی مراجعت کر کے سند کی تحقیق کی جا سکے، چونکہ ان کا مقصد روایات کے ذخیرہ کو یکجا کرنا تھا، اس لئے اس کتاب میں بھی صحیح و سقیم ہر طرح کی روایتیں جمع ہو گئی ہیں، اور سند کی تحقیق کئے بغیر ان کی بیان کی ہوئی ہر روایت کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا، علامہ سیوطیؒ بعض مرتبہ ہر روایت کے ساتھ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ اس کی سند کس درجہ کی ہے، لیکن چونکہ تنقیدِ حدیث کے معاملہ میں وہ خاصے متساہل مشہور ہیں، اس لئے اس پر بھی کماحقہٗ اعتماد کرنا مشکل ہے۔

تفسیر مظہری یہ علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (متوفی ۱۲۲۵ھ) کی تصنیف ہے اور انھوں نے اپنے شیخ طریقت مرزا مظہر جانِ جاناں دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر اس تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا ہے، ان کی یہ تفسیر بہت سادہ اور واضح ہے، اور اختصار کے ساتھ آیاتِ قرآنی کی تشریح معلوم کرنے کے لئے نہایت مفید، انھوں نے الفاظ قرآنی کی تشریح کے ساتھ متعلقہ روایات کو بھی کافی تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور دوسری تفسیروں کے مقابلے میں زیادہ چھان پھٹک کر روایات لینے کی کوشش کی ہے۔

رُوح المعانی اس کا پورا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" ہے، اور یہ بغداد کے آخری دور کے مشہور عالم علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷۰ھ) کی تصنیف ہے، اور تیس جلدوں پر مشتمل ہے، انھوں نے اپنی اس تفسیر کو بڑی حد تک جامع بنانے کی کوشش کی ہے، لغت، نحو، ادب اور بلاغت کے علاوہ فقہ، عقائد، کلام، فلسفہ اور ہیئت، تصوف اور متعلقہ روایات پر بھی مبسوط بحثیں کی ہیں، اور کوشش یہ کی ہے کہ آیت سے متعلق کوئی علمی گوشہ تشنہ نہ رہے، روایاتِ حدیث کے معاملے میں بھی اس کے مصنف دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط رہے ہیں، اس لحاظ سے یہ بڑی جامع تفسیر ہے، اور اب تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔